ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوّت
ملتان

8
جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ
اگست 2002ء

مولانا محمد اعظم طارق
انصاف اور ایوانِ اقتدار

ڈی نیشنلائیزیشن یا تعلیم کی موت

اللہ کا ذکر روح کی غذا

بنو ھاشم اور بنو امیہ کی رقابت کا پس منظر

گوشہ امیر شریعت
سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

مدرسہ آرڈیننس کے مضمرات

نفاذِ اسلام سے فرار کیوں؟

''جولوگ اسلام کے نظامِ حکومت سے دامن کشاں ہیں اور اقتدار نشیں ہو کر اسلامی نظام کے قیام سے فرار اختیار کرتے ہیں اور عوام کو اپنی ذہنیت کی اصلاح کیلئے کہتے ہیں وہ دراصل اسلام پر الزام دھرتے ہیں اور خود اسلام سے تہی داماں ہیں۔ جب سب کچھ اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے تو پھر جس نام سے یہ طاقت حاصل کی گئی ہے، اس سے یہ انحراف کیوں برتا جا رہا ہے؟

اسلام ایک عالمگیر دین ہے، وہ ایک ایسا نظام ہے، جو ازاوّل تا آخر اور تا بہ قیامِ قیامت ہر انسانی گروہ اور ہر انسانی جماعت کی خوشحالی اور برتری کا ضامن ہے۔ وہ بنیادی سعادتوں اور دنیوی خوش نصیبیوں کا توشہ ہے اور اس پر چل کر ہم اپنے لئے، بنی نوع انسان کیلئے اور معاشرۂ انسانی کیلئے صحت مند مستقبل تیار کر سکتے ہیں۔

مسلمان اور موت کا خوف یک جا نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ قرآنی نظامِ زندگی کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہے ہیں، ان کی بینائی سلب ہو چکی ہے اور وہ اپنی نفسی کوتاہیوں کو اسلام کی کوتاہیوں سے تعبیر کرتے ہیں''۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

''صوبائی احرار کانفرنس''۔ فیصل آباد (۳۰ر مئی ۱۹۴۸ء)

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

Regd: M. No.32

جلد ۱۳ | شمارہ ۸ | قیمت ۱۵ روپے

جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ

اگست 2002ء

بیاد حضرت امیر شریعت سید الاحرار

سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی

ابن امیر شریعت، خطیب بنی ہاشم، محسن احرار

مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

ابن امیر شریعت حضرت پیر جی

سید عطاء المہیمن بخاری

مدیر مسئول

سید محمد کفیل بخاری

رفقاء فکر

محمد اسحٰق سلیمی

پروفیسر خالد شبیر احمد

عبداللطیف خالد چیمہ

سید یونس الحسنی

مولانا محمد مغیرہ

محمد عمر فاروق

زرتعاون سالانہ

اندرون ملک 150 روپے

بیرون ملک 1000 روپے پاکستانی

رابطہ: دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان 061-511961

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّۃ شعبۂ تبلیغ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

ناشر: سید محمد کفیل بخاری — طابع: [illegible] — مطبع: [illegible] — مقام اشاعت: [illegible]

طباعت بہ اہتمام: الکتاب گرافکس پل شوالہ ملتان Ph:061-584604

تشکیل

دل کی بات:	اداریہ	مدیر	۳
دین ودانش:	احادیث رسول اللہ ﷺ	ادارہ	۵
// //	اللہ کا ذکر روح کی غذا ہے	بیان: مجلس ذکر حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم	۶
افکار:	مدرسہ آرڈی نینس کے مضمرات	مولانا زاہد الراشدی	۸
// //	ڈی نیشنلائزیشن یا تعلیم کی موت	سید یونس الحسنی	۱۱
// //	اسلامی معاشرت اور پاکستانی ٹیلی ویژن	مولانا مجاہد الحسینی	۱۵
// //	انصاف.... ایوان اقتدار، اور.... مولانا اعظم طارق	محمد ارسلان زاہد	۱۷
// //	ضرورت رشتہ	درویش کے قلم سے	۱۹
گوشہ امیر شریعت:	میں نے بھی شاہ جیؒ کو سنا	حافظ ضیاء الدین احمد	۲۱
سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ:	امیر شریعت معاصرین کی نظر میں	اقرار فکری	۲۴
تاریخ وتحقیق:	بنو ہاشم اور بنو امیہ کی ''رقابت'' کا پس منظر	ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۳۲
ردقادیانیت:	اکابر اسلام اور قادیانیت (قسط نمبر 6)	پروفیسر خالد شبیر احمد	۴۶
مکتوب:	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کا مدیر ''نقیب'' کے نام مکتوب		۵۳
طنز ومزاح:	زبان میری ہے بات ان کی	ساغر اقبالی	۵۵
مشاھدات:	میں ایک تاجر ہوں	شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی	۵۶
شاعری:	نعت (سید محمد یونس بخاری) ادراک کی دولت (سید کاشف گیلانی)		۵۷
// //	امیر شریعتؒ (انور جمال) سید عطاء اللہ شاہ بخاری.... (عبدالرحمٰن انجم)		
// //	غزل (تعبان محمد چوہان) گھر دیاں چیزاں ویچ کے.... (سائیں اللہ دتہ بھیروی)		
حسن انتقاد	تبصرہ کتب	سید ذوالکفل بخاری	۶۱

دل کی بات

پاکستان ــــ سیکولر سٹیٹ کی راہ پر گامزن......؟

ایک اخباری خبر کے مطابق امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل نے کہا ہے کہ ''پرویز مشرف پاکستان میں سیکرلر معاشرے کے قیام کے لئے کوشاں ہیں۔انہوں نے اس سلسلے میں بہت سے اقدامات کئے ہیں مگر ابھی مذید اقدامات کی ضرورت ہے''

اِدھر صدر پرویز مشرف نے متحدہ مجلس عمل کے ایک وفد سے ملاقات کے دوران کہا کہ ''پاکستان کو سیکرلر سٹیٹ نہیں بنایا جارہا۔آئین کا بنیادی ڈھانچہ برقرار رہے گا''

مذکورہ بیانات کے تضاد کو حکومت کی حالیہ پالیسیوں اور عملی اقدامات کے تناظر میں دیکھا جائے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔کوئی ابہام باقی نہیں رہتا۔افسوس یہ ہے کہ پاؤل سچ بول رہا ہے اور پرویز غلط بیانی کر کے کروڑوں پاکستانیوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

۱۱رستمبر کے بعد موجودہ حکومت نے اپنی پالیسیوں کے حوالے سے جوالٹی زقند لگائی ہے اس سے پاکستان کا فکری ونظریاتی تشخص شدید مجروح ہوا ہے۔اور جس ڈھٹائی کی ساتھ حکمرانوں نے اسلام اور امت مسلمہ کا تمسخر اڑایا ہے وہ عذاب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

سابقہ افغان پالیسی سے یکسر انحراف اور اپنے مسلمان بھائیوں کے قتل میں مکمل طور پر شریک ہو کر ان کے خون بے گناہی سے ہاتھ رنگے گئے ،سودی نظام کے تحفظ کے لئے تمام حکومتی وسائل بروئے کار لا کر اسے عدالتِ عظمیٰ سے جائز قرار دلوانے کی بھر پور کوشش کی گئی ،سرکاری وکیل سید ریاض الحسن گیلانی نے دلیل یہ پیش کی کہ:جب اکثریت حرام عمل اختیار کرلے تو ریاست کا فرض بنتا ہے کہ انہیں ریگولیٹ کرے اور تحفظ فراہم کرے۔یہود ونصاریٰ کی اتباع میں جہاد کو دہشت گردی اور بنیاد پرستی کہا گیا۔دینی مدارس پر قبضہ کر کے معاشرے میں اسلام کی تعلیم وتدریس کو روکنے کی کوششیں جاری ہیں۔میڈیا کو نام نہاد آزادی دے کر عریانی ،فحاشی اور منکرات کو ثقافت کے نام پر عام کیا جا رہا ہے۔دین ومذہب کو فرد کا ذاتی معاملہ قرار دے کر ریاست کو عملی طور پر دین سے الگ کرنے کی بھر پور کوششیں جاری ہیں اور ریاست کے معاملات میں جو تھوڑا بہت اسلام دخیل ہے۔اسے ''سماجی جبر'' کے طور پر قبول کرنے کے لئے قومی

سطح پر ذہن سازی کی جارہی ہے۔ گویا ایک ایسا ''آئیڈیل معاشرہ'' تشکیل دیا جارہا ہے جس میں پانچ وقت نماز پڑھنے والا فرد پانچوں عیب بھی کھلی آزادی کے ساتھ سرانجام دے یعنی آئین کی ''بنیاد اور ڈھانچہ'' دونوں برقرار رہیں یا دش بخیر گورنر پنجاب فرماتے ہیں ''ہم نئے پاکستان کی بنیاد رکھیں گے'' گویا بانئ پاکستان محمد علی جناح کا پاکستان ختم ہو چکا ہے۔ درج بالا منظر نئے اور روشن خیال پاکستان کی ایک معمولی جھلک ہے۔ جس میں آئین معطل، عدلیہ محبوس، مقننہ برخاست، انتظامیہ مجبور، علماء اور سیاست دان مقید، سیاسی و دینی جماعتیں معتوب اور عوام کالانعام ہیں۔ حبیب جالب نے سچ کہا تھا...

یہ تیرا پاکستان ہے نہ میرا پاکستان ہے
یہ اُس کا پاکستان ہے جو صدر پاکستان ہے

اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ پاکستان میں جتنے بھی اقدامات ہو رہے ہیں وہ بھی کسی ''جبر'' کا ہی نتیجہ ہیں۔ امریکہ کا جبر۔ اگر ہم پہلے دن اس ''جبر'' کو قبول کرنے سے انکار کر کے اپنی خودمختاری و خودداری کو بچا لیتے تو آج اتنے ''مجبور'' نہ ہوتے۔ کولن پاوَل سچ نہ کہتا اور ہم جھوٹ نہ بولتے۔ نہ جانے اکبرؔ الہٰ آبادی نے کس منظر سے متاثر ہو کر یہ شعر کہا تھا

بوزنا کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں
ہاں یہ جائز ہے کہ مداری کو مبارک باد دوں

اب بھی وقت ہے۔ ابھی صبح قیامت کا سورج طلوع نہیں ہوا، ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے ایمان کا تقاضا اور مطالبہ یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لائے ہو تو ثابت قدم بھی رہو۔ پھر دیکھو تمہارے رب کی مدد کس طرح تمہارے قدم چومتی ہے۔ اور کچھ نہیں تو طالبان کی استقامت سے ہی سبق حاصل کرو، تم نے دیکھا نہیں کہ انہوں نے عقیدہ وایمان کو بچانے کے لئے حکومت قربان کر دی ان کا قافلۂ حق نما اور کاروانِ وفا پھر جادہ پیما ہو رہا ہے۔ انہوں نے دنیا بھر میں اپنے چاہنے والوں، محبت کرنے والوں اور عقیدت وارادت رکھنے والوں کو مایوس نہیں کیا۔ پاکستان کی دینی قیادت، جماعتیں اور مدارس حوصلہ مندی اور پامردی کے ساتھ سیکولرازم کا راستہ روکیں گے۔ قیام پاکستان کے مقاصد، نظریاتی وزمینی سرحدوں کے تحفظ اور وطن کی بقاء واستحکام کے لئے دینی قوتیں سنگ مزاحم ثابت ہوں گی۔ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ نہیں بننے دیا جائے گا۔ پاکستان کی بقا صرف اور صرف اسلام سے وابستہ ہے۔

احادیث رسول اللہ ﷺ

پانچ برائیاں: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے گروہ مہاجرین! میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے پانچ باتوں میں پڑنے سے پناہ مانگتا ہوں:

(۱)۔ جب کسی قوم میں برملا فحش کام ہونے لگیں، وہ لوگ طاعون اور دوسری ایسی گوناگوں بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن سے ان کے اسلاف نا آشنا اور بے خبر تھے۔

(۲)۔ جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہے تو وہ قحط، سخت مصائب اور حکمرانوں کے مصائب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

(۳)۔ جب کوئی قوم اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتی تو اس پر آسمان سے بارش بند کر دی جاتی ہے اور اگر چوپائے نہ ہوں تو ان پر کبھی بارش نہ ہو۔

(۴)۔ جو قوم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ ان پر ایسا دشمن مسلط کر دیتا ہے جو ان کے اموال چھین لیتا ہے۔

(۵)۔ جب کسی قوم کے حکام، احکام خداوندی کے مطابق فیصلے کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور احکام خداوندی میں اپنی مرضی برتتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان خانہ جنگی پیدا کر دیتا ہے (ابن ماجہ فی الفتن، باب العقوبات، مستدرک ۴/۵۸۳)

چار چیزوں سے اللہ کی پناہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگا کرو:

(۱)۔ آزمائش کی مشقت سے (۲)۔ بدبختی کی پستی سے (۳)۔ برے خاتمے سے (۴) دشمنوں کے ہنسنے سے (بخاری ۴/۱۰۳)

تباہ کرنے والی سات چیزیں: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سات چیزوں سے بچتے رہو جو تباہ کر دینے والی ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! وہ کونسی ہیں''۔ آپ نے فرمایا:

(۱)۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا (۲)۔ جادو کرنا (۳)۔ ناحق کسی کی جان لینا (۴)۔ سود کھانا (۵)۔ یتیم کا مال کھانا (۶) لڑائی سے بھاگ آنا (۷) پاک دامن عورت پر تہمت لگانا (بخاری، ۲/۸۸)

دو چہروں والا شخص: حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں دو چہروں والا (دورخا) ہوگا، اس کی قیامت کے دن دو آگ کی زبانیں ہوں گی۔

(ابوداؤد، ۴/۴۰۰، رقم ۵۲۲۹، ترمذی ۴/۳۴۷، رقم ۲۷۶۴،)

بیان : حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم　　　　تلخیص و ترتیب: جام ریاض احمد

مجلس ذکر، منعقدہ دارِ بنی ہاشم، ملتان

اللہ کا ذکر روح کی غذا ہے

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ اشرف الانبیاء و خاتم النبیین و علیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

قال اللہ تعالیٰ والذاکرین اللہ کثیراً والذاکراتِ اعداللہ لھم مغفرۃً واجراً عظیماO (صدق اللہ العظیم)

''اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں کچھ شک نہیں کہ اُن کیلئے اللہ نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے''۔ (احزاب! ۳۵)

عزیز بھائیو! اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی یاد مؤمن کی روحانی غذا ہے۔ یہ نعمت جس کو اللہ عطاء فرما دیں، اس کا دامن رحمتوں اور برکتوں سے بھر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد میں مشغول رہنے والے مردوں اور عورتوں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ کا ذکر کسی دنیاوی منصب یا لذت کے حصول کیلئے نہیں بلکہ صرف اس کی رضا اور آخرت میں نجات کیلئے کیا کریں۔ دل مانے یا نہ مانے، منصب ملے نہ ملے اور لذت و مٹھاس حاصل ہو نہ ہو ہمیں تو اللہ کا ذکر کر کے شیطان کو مات دینی ہے اور رحمان کو راضی کرنا ہے۔ جو شخص اس لئے اللہ کا ذکر کرتا ہے کہ وہ قطب، غوث اور ولی بن جائے اور ان مناصب کی وجہ سے لوگ اس کی عزت کریں تو یہ ذکر نہیں، ریاکاری ہے۔ یہ باتیں اللہ اور بندے کے تعلق میں رکاوٹ ہیں۔ جب اخلاص کے ساتھ زبان و قلب ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائیں تو پھر اس کی لذت و مٹھاس دنیا کے ہر ذائقے سے اچھی لگتی ہے۔ ہم نے جتنی دیر یہاں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کیا ہے، اس کے نتیجے میں کوئی وجدانی کیفیت پیدا ہو یا نہ ہو لیکن یادِ الٰہی کی سعادت ہمیں ضرور حاصل ہوگئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ فرشتوں نے گواہی دی ہوگی کہ یا اللہ! تیرے بندوں کی ایک جماعت بیٹھ کر تیرا ذکر کر رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری مغفرت بھی فرما دی ہوگی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''جو لوگ اللہ تعالیٰ کو خلوص کے ساتھ یاد کرتے ہیں تو اللہ فرشتوں کو گواہ بنا کر فرماتے ہیں کہ میں نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ان میں ایک شخص تو دکھائے کیلئے بیٹھا تھا، اللہ فرماتے ہیں، ان کی برکت سے اس شخص کو بھی معاف کر دیا ہے''۔ ذکر کی مجلس میں بیٹھنے والا کوئی بھی شخص نفع سے محروم نہیں رہتا۔ جہاں تک ہوا چلتی ہے ہر شخص کو نفع پہنچتا ہے۔ ہمارے سلسلے کے بزرگ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ذکر ایسی نعمت ہے کہ بے دھیانی بھی منہ سے نکل جائے تو نفع سے خالی نہیں''۔

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ سے میں جب بیعت ہوا تو مجھے فرمایا کہ ''کیا کرتے ہو''؟ میں نے عرض کیا: ''ایک نفی اثبات اور دو اسم ذات'' فرمایا: ''اوہو یہ تو کچھ بھی نہیں'' جنہوں نے سمندر پی رکھے ہوں اُن کے سامنے ایک

دو تسبیح تو واقعی کچھ نہیں۔ پھر فرمایا:

ایک تسبیح ....لا اِلٰہ الا اللہ

دو تسبیح ....اللہ، اللہ

دو تسبیح ....لا اِلٰہ الا اللہ

تین تسبیح ......اللہ، اللہ

تین تسبیح ....لا اِلٰہ الا اللہ

پانچ تسبیح ....اللہ، اللہ

پانچ تسبیح ....لا اِلٰہ الا اللہ

سات تسبیح ....اللہ، اللہ

اور پھر جتنا چاہو، بڑھا لو۔ ہماری خانقاہِ قادریہ رائے پور کا یومیہ نصاب تھا۔

گیارہ سو مرتبہ..........لا اِلٰہ الا اللہ

چار ہزار مرتبہ..........اللہ، اللہ

الحمدللہ فقیر کو خانقاہ میں نصاب مکمل کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

پھر فرمایا: ''دیکھو! یہاں جو کچھ ہو رہا ہے، سب اللہ کے نام کی برکت ہے، کسی کا کوئی کمال نہیں۔ نام کے سیّد تو بہت ہیں، کام کے سیّد بن جاؤ۔ تم امیر شریعتؒ کے بیٹے ہو''۔

دوستو! یہ ذکر ہی انسان کو آدمی بناتا ہے۔ لا اِلٰہ الا اللہ پڑھنے سے ہر چیز کی نفی ہوتی ہے۔ اس کی کثرت سے اپنے وجود کی بھی نفی ہوتی ہے۔ اپنے وجود کی نفی پہلی سیڑھی ہے۔ ہر طرف اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہے، اللہ کا ذکر، عبادات، استغفار، درود شریف، قرآن کی تلاوت، فرائض وواجبات اور نوافل سب اللہ کی رضا کیلئے کرو، اس میں لذت تلاش نہ کرو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز پڑھی مگر مزہ نہیں آیا۔ بھائی! نماز پڑھ لی تو فرض ادا ہو گیا۔ ہم فرائض ادا کریں گے تو اللہ کے انعامات اور برکات حاصل ہوں گے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صبح، دوپہر، شام اور رات کو سونے سے پہلے کے اعمال تعلیم فرمائے ہیں۔ اوقات کی پابندی کا شریعت نے اس لئے حکم دیا ہے کہ ان اوقات میں جب آدمی کوئی عمل کرتا ہے تو اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ جب ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو اللہ کی رحمت بھی ہمیشہ نازل ہوتی ہے۔ جو آدمی ذکر میں اپنے آپ کو کھپا دیتا ہے تو اللہ اس کے کاموں میں مدد فرماتے ہیں، جو اللہ کی یاد سے غافل ہو کر اسے چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے تنہا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس سے رحمت کا ہاتھ اٹھ جاتا ہے۔ جس سے اللہ کی توجہ اٹھ جائے، وہ بے کار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں لے کر اپنے ذکر اور عبادت کی توفیق عطاء فرمائے اور ہمیں معاف فرمائے۔ (آمین)

مولانا زاہد الراشدی

مدرسہ آرڈی نینس کے مضمرات

گزشتہ ماہ، ملتان میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے ایک ہنگامی اجلاس میں وفاق کے ناظم اعلیٰ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری کی خصوصی دعوت پر شرکت کا موقع ملا۔ اگرچہ وفاق میں شامل ایک تعلیمی ادارہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانولہ میں کئی سالوں سے تدریس کے فرائض سرانجام دے رہا ہوں، مگر وفاق المدارس کے کسی اجلاس میں حاضری کا پہلی بات اتفاق ہوا، وفاق کا قیام حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا شمس الحق افغانی اور مولانا مفتی محمود رحمہم اللہ کی مساعی سے عمل میں آیا تھا، جو ان بزرگوں کی مخلصانہ کوشش اور خلوص وللہیت کی وجہ سے بحمد للہ تعالیٰ اب اس مقام تک پہنچ گیا ہے کہ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری کے بقول اس سال وفاق کے سالانہ امتحانات اٹھانوے ہزار سے زائد طلبہ اور طالبات شریک ہو رہے ہیں۔ مدارس کے نظام ونصاب میں ہم آہنگی باہمی ربط وتعاون اور امتحانات میں یکسانیت کی غرض سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مسلسل محنت اور پیش رفت دیکھ کر دیگر مذہبی مکاتب فکر بھی متوجہ ہوئے اور ان کے ہاں بھی اس قسم کے وفاقوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ چنانچہ اس وقت تمام مکاتب فکر کے پانچ وفاق کام کر رہے ہیں اور ان کے تحت کم وبیش ستر ہزار مدارس مصروف کار ہیں جن میں سب سے بڑی تعداد وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مدارس کی ہے۔

وفاق نے نصاب تعلیم کے معیار کو بڑھانے اور امتحانات کی نگرانی کے لئے جو متوازن طریقہ کار اختیار کر رکھا ہے اس کی وجہ سے نہ صرف یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے وفاق المدارس العربیہ کو مختلف درجات ومراحل میں تسلیم کیا ہوا ہے۔ بلکہ ملک کی یونیورسٹیاں بھی اس کے معیار کو قبول کرتی ہیں۔ چنانچہ وفاق کے سربراہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان نے اس سفر کے دوران ایک ملاقات میں بتایا کہ انہوں نے چند سال قبل کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کو دعوت دی کہ وہ خود تشریف لاکر وفاق کے امتحانات کا معائنہ کریں اور امتحانات کے دوران کسی روز وفاق کے نظام امتحانات کو چیک کریں وہ خود تو تشریف نہ لائے البتہ شعبہ عربی اور شعبہ اسلامیات کے سربراہوں کو اس مقصد کے لئے بھیجا۔ جنہوں نے طلباء کو امتحانات کے مراکز میں پرچے حل کرتے دیکھا اور اپنے تاثرات یوں بیان کیے کہ ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ دینی مدارس میں امتحانات کا اس قدر مضبوط ومربوط نظام ہوگا اور نگران حضرات کی کڑی نگرانی میں طلبہ اس خاموشی اور متانت کے ساتھ پرچے حل کر رہے ہوں گے ان حضرات کا کہنا تھا کہ ہمیں یوں لگ رہا تھا جیسے ہم انسانوں میں نہیں بلکہ فرشتوں کے درمیان بیٹھے ہیں اور ہم اس نظام سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔

میں نے اس موقع پر وفاق کے صدر حضرت مولانا سلیم اللہ خان اور سیکرٹری جنرل حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری سے یہ عرض کیا کہ دینی مدارس کے نظام اور معیار وتعلیم وغیرہ کے حوالے سے بین الاقوامی حلقوں میں جو شدید

منافرت اور غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور جسے مخصوص عالمی لابیاں اپنے مقاصد کے لئے مسلسل بڑھاتی جا رہی ہیں ان کو کم کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وفاق المدارس تعلیم سے تعلق رکھنے والے بین الاقوامی اداروں کو خود دعوت دے کے وہ پاکستان کے بڑے مدارس کا دورہ کریں ان کے تعلیمی نظام کا براہ راست جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ امتحانات کے موقع پر مانیٹرنگ بھی کریں تا کہ ان کو اس بات کا صحیح طور پر علم ہو کہ پاکستان کے دینی مدارس کے خلاف عالمی سطح پر پھیلائی جانے والی کردارکشی کی باتوں میں کس حد تک صداقت ہے اور اس قسم کا پروپیگنڈہ کرنے والوں کا اصل مقصد کیا ہے؟ وفاق کے دونوں ذمہ دار حضرات نے میری اس گزارش سے اتفاق کیا اور فرمایا کہ وہ اس تجویز کا سنجیدگی سے جائزہ لیں گے۔

وفاق المدارس العربیہ کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں دینی مدارس کی رجسٹریشن اور ریگولیشن کے حوالے سے حکومت کا مجوزہ آرڈیننس زیر بحث آیا جس کے بارے میں صدر جنرل پرویز مشرف اور ان کے وزراء کی طرف سے بار ہا یہ یقین دہانی کرائی جاتی رہی ہے کہ اس آرڈیننس کا مقصد دینی مدارس کے نظام میں مداخلت کرنا نہیں اور نہ ہی کوئی آرڈیننس دینی مدارس کے وفاقوں کی مشاورت کے بغیر نافذ کیا جائے گا حتی کہ جنرل پرویز مشرف نے اپنی ۱۲ر جنوری ۲۰۰۲ء کی نشری تقریر میں پوری قوم کے سامنے یہ بات کہی تھی کہ وہ دینی مدارس کو سرکاری کنٹرول میں لے کر انہیں خراب نہیں کرنا چاہتے لیکن جب ۶ر جولائی کے مذاکرات میں دینی مدارس کے وفاقوں کو وفاقی کابینہ کا منظور کردہ مسودہ دیا گیا تو وہ ان دونوں یقین دہانیوں کے برعکس تھا۔ اس وفاقی کابینہ نے منظور کرنے سے قبل دینی مدارس کی قیادت کو اس کے حوالے سے اعتماد میں لینے کا وعدہ پورا نہیں کیا گیا اور دینی مدارس کے داخلی نظام میں مداخلت نہ کرنے کے بار بار اعلانات کے برعکس اس آرڈیننس کو دینی مدارس کے لئے ایک ایسا شکنجہ بنا دیا گیا ہے کہ خدانخواستہ اس آرڈیننس کے نفاذ کی صورت میں ملک کا کوئی دینی مدرسہ اپنے تعلیمی کام کے تسلسل کو آزادانہ ماحول میں جاری نہیں رکھ سکتا۔ اس آرڈیننس کی رو سے ملک میں اس وقت موجود تمام دینی مدارس کو پابند کر دیا گیا ہے کہ وہ خود کو حکومت کے قائم کردہ مدرسہ تعلیمی بورڈ کے ساتھ ملحق کریں اور جو مدرسہ اس آرڈیننس کے نفاذ کے بعد چھ ماہ تک اپنا الحاق اس بورڈ سے نہیں کرائے گا اسے بند کر دیا جائے اور بورڈ کو اختیار ہوگا کہ وہ اس مدرسہ کی انتظامیہ کو برطرف کر کے اپنی طرف سے انتظامیہ قائم کر دے یا اس مدرسہ کو بند کر کے اس کے اثاثے اور جائیدادا اپنی صوابدید پر کسی دوسرے مدرسے کو منتقل کر دے۔

اس آرڈیننس کی رو سے ''سرکاری مدرسہ تعلیمی بورڈ'' دینی مدارس کے نصاب میں اضافہ تجویز کرے گا جن کو قبول کرنا لازمی ہوگا بورڈ امتحانات کا طریق کار وضع کرے گا، دینی مدارس کے لئے قواعد وضوابط طے کرے گا اساتذہ کی اہلیت کے معیار کا تعین کرے، امتحانات کی نگرانی کرے گا اور مختلف درجات کی سندات کیلئے نصاب کا معیار اور مواد بھی بورڈ ہی تجویز کرے گا، جو مدرسہ بورڈ کے طے کردہ قواعد وضوابط اور ہدایات کی پابندی نہیں کرے گا اس کے ذمہ دار حضرات کے لئے دو سال قید یا پچاس ہزار روپے جرمانہ کی سزا کے ساتھ مدرسہ کے انتظام سے ان کی علیحدگی بھی ضروری ہو جائے گی

آرڈیننس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر مدرسہ اپنی آمدنی کے ذرائع اور چندہ دینے والوں کے کوائف بورڈ کو دینے کا

پابند ہوگا اور بیرون ملک سے آنے والی کسی بھی قسم کی رقوم کو بورڈ کی اجازت کے بغیر وصول نہیں کر سکے گا، اس کے علاوہ ہر مدرسہ اپنا اکاؤنٹ بھی بورڈ کے منظور کردہ بینک میں کھلوا سکے گا، بورڈ ہی کے مقررہ کردہ آڈیٹر سے حسابات چیک کرانے کا پابند ہوگا اور بورڈ کے مقرر کردہ افسر مجاز کی طرف سے مالی بدعنوانی یا بورڈ کی ہدایات کی خلاف ورزی کی شکایت پر مدرسے کی انتظامیہ کو برطرف کر کے بورڈ کی صوابدید پر نئی انتظامیہ مقرر کی جاسکے گی، گویا اس آرڈیننس کی رو سے حکومت نے ملک کے تمام دینی مدارس کو اپنے کنٹرول میں لینے کا فیصلہ کر لیا ہے، جس کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ جنرل پرویز مشرف کے بقول ان کے نظام کو خراب کیا جائے اور ان کے اس معاشرتی و دینی کردار کا خاتمہ کر دیا جائے جس کا خود ہمارے موجودہ حکمران بھی کئی بار کھلے بندوں اعتراف کر چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ نے اس آرڈیننس کو ''انسداد دینی مدارس آرڈیننس'' قرار دیتے ہوئے یکسر مسترد کر دیا ہے۔ جبکہ اس سے اگلے روز تمام مکاتب فکر کے دینی مدارس کے پانچوں وفاقوں نے لاہور میں اجلاس کر کے مشترکہ طور پر اس آرڈیننس کو مسترد کرنے کا اعلان کیا ہے اور اس سلسلے میں رائے عامہ کو منظم کرنے اور دینی و سیاسی حلقوں کو اعتماد میں لینے کے لئے مختلف شہروں میں علماء اور دینی کارکنوں کے کنونشن منعقد کرنے اور ۷/اگست کو لاہور میں کل جماعتی کانفرنس طلب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ وفاق المدارس العربیہ اور ملک کے دیگر وفاقوں کا یہ مشترکہ موقف اور پروگرام وقت کی اہم ضرورت ہے، کیونکہ معاشرہ میں دینی تعلیم کے تسلسل کو جاری رکھنے کے لئے دینی مدارس کی آزادی اور خود مختاری اسی طرح ضروری ہے، جس طرح نماز کے لئے وضو ضروری ہے، مجھے یاد ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمود قدس اللہ سرہ العزیز جب صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے تو بعض دوستوں نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ صوبے کے حکمران ہیں اس لئے انہیں صوبائی حکومت کی طرف سے دینی مدارس کی امداد کے لئے کوئی قانون وضع کرنا چاہیے، مفتی محمود صاحب خود اس وقت وفاق المدارس العربیہ کے سربراہ تھے لیکن انہوں نے اس تجویز کو سختی سے مسترد کر دیا اور فرمایا کہ میں نے ہمیشہ حکمران نہیں رہنا، حکومتیں بدلتی رہتی ہیں اور ان کے مفادات اور ترجیحات بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں اس لئے دینی مدارس کے نظام کو ان تبدیلیوں کے اثرات سے محفوظ رکھنا ضروری ہے اور ان کی آزادی کی حفاظت ہر چیز پر مقدم ہے

جنرل پرویز مشرف سے بھی یہی گزارش ہے کہ وہ اس بات کو سمجھنے کی کوشش کریں، کیونکہ دینی مدارس کی جن اچھائیوں کا وہ خود اعتراف کر رہے ہیں، ان اچھائیوں کی بنیاد کی آزادی اور خود مختاری پر ہے جس کے لئے انہیں سرکاری اہل کاروں کی مداخلت اور بیوروکریسی کے کنٹرول سے بچانا ضروری ہے ورنہ ان کی کابینہ کے منظور کردہ آرڈیننس کے (خدانخواستہ) نفاذ کی صورت میں دینی مدارس کا حشر کیا ہوگا؟ اس کا حال معلوم کرنے کے لئے وہ جامعہ عباسیہ بہاول پور اور جامعہ عثمانیہ گول چوک اوکاڑہ کی فائلیں منگوا کر پڑھ لیں ہمیں امید ہے کہ وہ ملک کے تمام دینی مدارس کو جامعہ عباسیہ اور جامعہ عثمانیہ بنانا پسند نہیں کریں گے۔

سید یونس الحسنی

ڈی نیشنلائزیشن یا تعلیم کی موت

یکم اکتوبر ۱۹۷۲ء کو وزیر اعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان مرحوم ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے اعلان کردہ منشور (Manifesto) کے مطابق ملک بھر میں ایسے تمام تعلیمی ادارے جو پرائیویٹ انتظامیہ کے تحت کام کر رہے تھے۔ بیک جنبش قلم قومی تحویل میں لے لئے۔ انہوں نے یہ حکم نامہ (Notification) نمبر ۱۱۸ بطور سویلین چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر جاری کیا تھا۔ اس وقت ان کے رفقائے کار کی سوچی سمجھی رائے کے مطابق نجی انجمنوں کے زیر اثر ان اداروں میں درس و تدریس کا معیار شرمندگی کی حد تک گرا ہوا تھا۔ اساتذہ کی بدحالی و بے حالی اس پر مستزاد تھی اور یہ کہ صرف حکومتی سرپرستی ہی انہیں زبوں حالی کے اندھے غاروں سے بحفاظت نکال کر ان کے حالات کار درست کرنے کی طاقت رکھتی تھی۔ سو انہوں نے یہ زبردست اقدام کیا جس کی وسیع پیمانے پر پذیرائی ہوئی، بھاری بھرکم فیسیں ادا کرنے والے لوگوں نے سکھ کا سانس لیا کہ ان کے بچے اب انتہائی مناسب فیسیں ادا کر کے زیور تعلیم سے آراستہ و پیراستہ ہو سکیں گے۔ یہ بہت بڑی سچائی ہے کہ اساتذہ نے اپنی انتھک تگ و دو سے ان اداروں کی ننانوے فیصد اکثریت کو ہر اعتبار سے نکھارنے، اجالنے اور سنوارنے میں کوئی دقیقہ بھی فروگزاشت نہیں کیا۔ سال بہ سال پرائمری، مڈل، ہائی اسکول، انٹر اور ڈگری کالجوں میں محنت کے زاویے بدلتے گئے اور ان کی کارکردگی پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی۔ بمشکل تمام ایک فیصد اداروں کی حالت پر اعتراضات کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن ان کے بھرپور استرداد کیلئے بعض ٹھوس حقائق بطور دلیل محکم پیش کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً

☆ تعلیمی اداروں کی نیشنلائزیشن کے ساتھ ہی بعض غیر مسلم تنظیموں کی طرف سے اس کے خلاف مسلسل سازشیں کی جا رہی ہیں۔ حکومت پر اندرونی و بیرونی لابیوں سے پریشر ڈلوایا جا تا رہا ہے کہ ہمارے لوٹ کھسوٹ کے اڈے لوٹائے جائیں، ان انجمنوں میں قادیانی تحریک سرفہرست ہے۔ انہوں نے کامیابی کیلئے سرتوڑ سعی کی۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے عیسائی برادری بھی ان کے جھانسے میں آ گئی، پھر ایسا ہوا کہ حکومت نے وقتاً فوقتاً اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے اعلانات شروع کر دیئے کہ تمام تعلیمی ادارے اصل مالکان کو لوٹائے جا رہے ہیں۔ سرکاری ملازمین کیلئے یہ پراپیگنڈہ سروں پر لٹکتی خونی تلوار کی مانند تھا، جس نے ان کے سکون، یکسوئی اور توجہات کے ارتکاز کی خوش کن کیفیات کو ملیامیٹ کرنے کی نامشکور سعی کی۔ کوئی بھی شخص ایسے گھناؤنے ماحول میں اپنے فرائض دلجمعی سے انجام نہیں دے سکتا۔ چنانچہ بعض اداروں میں اسی آسیب نے کام دکھایا ہے کہ وہ اپنی کوشش بسیار کے باوصف اعلیٰ کارکردگی دکھانے سے قاصر رہے۔

☆ ۱۹۸۲ء میں جنرل ضیاء الحق مرحوم صدر پاکستان تھے۔ اساتذہ برادری اور پاکستانی عوام کے ساتھ اپنے تمام خلوص کے باوجود وہ امریکی وزیر خارجہ اور یو، این سیکرٹری جنرل کے اہم اصرار پر ڈی نیشنلائزیشن کے لئے تیار ہو گئے۔ معروضی حکم بھی جاری کر دیا جس پر اساتذہ برادری، طلباء اور والدین میں زبردست ہیجان پیدا ہوا، ہر شہر اور قصبے میں اساتذہ وطلبہ نے ''اداروں کی واپسی، نامنظور'' کے بینر اٹھا کر مسلسل تین ماہ تحریک چلائی، جلسے کئے، جلوس نکالے، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن ان کے پائے استقلال میں سر مو لغزش یا لرزش نہ آئی۔ وہ تحریک تو کامیاب رہی مگر اس کے منفی اثرات نے آئندہ چند سالوں تک اساتذہ وطلبہ کے قلوب و اذہان کا احاطہ کئے رکھا، وہ سوچتے رہے، حکومتیں پنجے جھاڑ کر صرف تعلیم ہی کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہیں؟ وہ آئے دن ہمارے سروں پر ڈی ٹائپ گرز کیوں مارتی رہتی ہیں؟ سوچوں کے اس نشیب و فراز میں کچھ وقت گزر گیا اور معلمین اپنے منصبی امور کی بطریق احسن انجام دہی میں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

☆ مختلف سوچوں کا یہ ادھیڑ بن ابھی جاری تھا کہ بھٹو کی بیٹی نے بطور وزیر اعظم اپنے باپ کے جاری کئے گئے حکم کو بالکل غلط اور نامعقول قرار دے کر اداروں کی واپسی کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا۔ پرکھ پڑچول سے معلوم ہوا، اس کے پیچھے بھی قادیانی اژدھے کی زہرناکی کا مکروہ اثر موجود تھا۔ اس ملک میں یہی طبقہ ضالہ ہے جو کسی کروٹ چین لیتا ہے نہ دوسروں کو لینے دیتا ہے۔ وہ مرزائیت کی تبلیغ کے مضبوط اکھاڑے چھن جانے کے بعد انگاروں پر لوٹ رہے ہیں۔ ہر حکومت کیلئے مسائل پیدا کرنا ان کا شیوہ، امت مسلمہ کے سینے پر مونگ دلنا ان کا وتیرہ ہے۔ اچھے بھلے مسلمانوں کو فکری، نظریاتی اور اعتقادی طور پر اپاہج بنانے کیلئے ہر غلط و صحیح حربہ اختیار کرنا ان کا شعار ہے، وہ مقصد براری کی خاطر ایسا الٹا، سیدھا، آڑا، ترچھا جال پھیلاتے ہیں کہ بڑے بڑے فہیم و ذکی ہل کر رہ جاتے ہیں۔ دختر مشرق ان کے اسی دام ہم رنگ زمیں کا شکار ہو گئیں۔ بہت سی تھکا فضیحتی کے بعد یہ حکم تو واپس لے لیا گیا لیکن طبقہ اساتذہ لمبے عرصے تک سکتے اور ضغطے کے عالم میں رہا۔ آپ ہی کہیے! اس تیرہ شبی میں وفا کے چراغ کیونکر جل سکتے ہیں؟ ہر پیر و جواں کی زبان پر ایک ہی بات تھی:۔

ہر طرف چھایا ہوا رات کا سناٹا ہے
کیسے ممکن ہے خرابے میں چراغاں سوچو

☆ ایک عجیب واقعہ ہوا، میاں نواز شریف ملک کے وزیر اعظم، ان کے برادر اصغر شہباز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب تھے۔ پارلیمنٹ میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا ایک گروہ غارت گران تعلیم و تعلم کے خلاف سرگرم تھا۔ وہ ایسے مجہول فطرت اور مضحک چہروں والے لوگ تھے۔ جنہوں نے اپنے حلقوں میں وجود پذیر تعلیمی اداروں کو اپنی چوپال یا ڈھور ڈنگروں کا باڑہ بنا رکھا تھا۔ وہ ان پر مستقل قبضہ رکھنے کے شدت سے خواہاں تھے۔ ان کے زبردست دباؤ پر حکومت وقت نے تمام چھوٹے بڑے اسکول و کالج ڈسٹرکٹ کونسلوں کے حوالے کرنے کا پروگرام ترتیب دیا۔ اندر کے چند نیک دل لوگوں نے حلفاً بتایا کہ اس معاملے میں قادیانی جماعت بھی اپنے کل وسائل ان نام نہاد عوامی نمائندوں کے حق میں استعمال کر رہی تھی۔ غور

کیجئے! وہ جلب منفعت کی کی خاطر سچ مچ کے گدھوں کو باپ بنانے سے بھی نہیں چوکتے، گرگوں کے غصے کی تاب نہ لاکر باقاعدہ حکم جاری کر دیا گیا، اساتذہ کو پرائیویٹائزیشن کے نام پر آتش فشانی کھائیوں میں چوتھی بار بالجبر دھکیل دیا گیا، ان کی تعلیمی توجہات کی سمت آن واحد میں بدل کر رکھ دی گئی، وہ سراپا احتجاج ہو گئے۔ پنجاب ٹیچرز یونین کے صدر مرکزی متحدہ محاذ اساتذہ پاکستان کے چیئرمین حضرت مولانا عبدالغفور غفاری رحمۃ اللہ علیہ، پنجاب نیشنلائزڈ اسکول ٹیچر ایسوسی ایشن کے صدر محترم متحدہ محاذ اساتذہ پاکستان صوبہ پنجاب کے چیئرمین جناب رانا محمد ارشد، جنرل سیکرٹری جناب محمد انور بھٹی، سینئر اسٹاف کے صدر جناب محمد طارق محمود، ایس ای ایس کے محمد جمیل ورک اور کالج اساتذہ کے ممتاز رہنماؤں کی قیادت میں عظیم احتجاجی تحریک برپا کی گئی۔ حکومت کے عزائم ناکامی سے دوچار ہوئے تو وزیر اعلیٰ نے تعلیمی اصطلاحات کے نام پر پینترا بدلا۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پوری توانائی سے استعمال کر کے اساتذہ کے استاذ جیسے مکرم اور حساس طبقے پر ذلتوں اور رسوائیوں کے وہ تیر ونشتر چلائے کہ پناہ بخدا، ٹی وی مذاکروں اور اخباری کارٹونوں کے ذریعے انہیں عوام کی نظروں سے گرانے کیلئے شب و روز یہ مکروہ سلسلہ قریباً ایک سال تک جاری رہا۔ ان پر جعلی احکامات کے تحت بھرتی کا خوفناک الزام لگا کر بے حرم کیا گیا، دس سے پچیس سال تک ریگولر سروس کرنے والوں کو مسلح فوج کے ہاتھوں بوگس قرار دلا کر پس دیوار زنداں پھینک دیا گیا، کئی گھرانوں کے چولہے ٹھنڈے ہو گئے۔ کئی باضمیر اس بے عزتی پر عدم برداشت سے جانیں ہار گئے۔ یہ الگ بات کہ خود مقتدرین اس سے کہیں زیادہ رسوائیوں کا بوجھ اٹھا کر تماشائے عبرت بن گئے۔ تاہم ان کے کرتوتوں کی دھمک آج بھی سنائی دیتی ہے۔ ایسے دل دوز حالات میں وہ کیا نتائج دکھائیں، کیا محنت کریں، اداروں کی توقیر کیونکر بڑھائیں اور اگر مشقت کریں بھی تو وہ کیا رنگ لائے گی؟

☆ دزدان علم اس ناکامی کو ہضم نہیں کر پائے، ان کی الزامی مہم ہنوز جاری ہے۔

☆ اساتذہ نالائق ہیں، وہ جعلی سندوں، ڈگریوں اور آرڈرز کے ذریعے بھرتی ہوئے۔

☆ ان کی اکثریت کا مبلغ علم نہ ہونے کے برابر ہے، اسی لئے وہ بروقت اداروں میں نہیں آتے۔

☆ وہ ناکارہ ہیں اور بدلتے ہوئے علمی تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

یہ کہتے ہیں اساتذہ کی تنخواہیں اور پنشن حکومتی خزانے پر ناروا بوجھ ہے۔ اساتذہ کی تعداد مسلح افواج کے بعد دوسرے نمبر ہے۔ موجودہ بجٹ میں ماہانہ تنخواہوں اور پنشنوں میں اضافہ ویٹو کرنا ان کی اسی برخود غلط ظالمانہ سوچ کی عکاس اور غماض ہے۔ اس بوجھ کو ہلکا کرنے کیلئے سرکاری پرائمری، مڈل، ہائی اور ہائر سیکنڈری اسکولوں کے قواعد و ضوابط میں کچھ اس طرح حک و اضافہ کیا گیا ہے جس کا انجام مکمل نجکاری ہی ہے۔ اب قومیائے گئے تمام اسکول و کالجز کو بلک کی ایک جھپکی میں ڈی نیشنلائز کرنے کا فوجی حکم نامہ جاری کر کے اساتذہ کے چراغ وقر و افتخار کو طوفان بلاخیز کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ ان کی بقا خطرات میں گھر گئی ہے۔ اس حکم نامے کے متن کا ایک ایک حرف ایسا انگار ہے جو درس و تدریس کی شفاف چادر کو صرف داغ

دار نہیں، بھسم کر ڈالے گا۔ آج قادیانی مغ بچے اور سامراج مطوے ایوان اقتدار میں بارسوخ ہو گئے ہیں۔ وقت کا فائدہ اٹھا کر کھل کھیلانا چاہتے ہیں مگر حکومتی بزر جمہروں نے تو رہی سہی کسر بھی نکال دی ہے۔ سازشیوں کی دسیسہ کاریوں سے صرف نظر یا بوجوہ گریز پائی گرانڈیل تاریخی حقائق سے مجرمانہ غفلت ہے، جسے کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا۔ جن الزامات کے تحت یہ سارا ہلاکت خیز عمل کیا جارہا ہے اور جن دل نواز نتائج کی توقع وابستہ کی جارہی ہے، تجاہل عارفانہ کے سوا کچھ نہیں۔ یاد رکھئے! یہ راستہ تعلیم کی موت کا راستہ ہے، عرفان و آگہی کی چشم خشک کرنے کا المناک استبدادی طریقہ ہے، وطن عزیز کے اسی (۸۰) فیصد غریب والدین پر بھاری بھر کم فیسوں کی اودبلائیں مسلط کر کے، ان کے جگر گوشوں کو علم کی برکات سے محروم رکھنے کی تباہ کن سازش ہے، اساتذہ جو صرف متوسط طبقے ہی سے آتے ہیں، ان کی عزت و توقیر کو سرعام کھیل تماشا بنا کر ان کے گھروں میں بھوک کا ننگا ناچ نچوانے کا بھیانک پروگرام ہے۔

اسلام دشمن این جی اوز جو صیہونی، قادیانی اور پرویزی اعتقادات کے علمبردار ہیں، اس وحشت ناک صورت حال کی آڑ میں پاکستان کی تاسیسی سرحدوں کو بے دھڑک روندنے کی طرح ڈالنا چاہتے ہیں۔ ہم جنرل پرویز کو باور کرانا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں کہ تعلیمی اداروں کو فنا کے گھاٹ اتارنے سے کچھ نہیں بچے گا۔ مہذب قومیں اپنے علمی مراکز کا تحفظ کرنے کیلئے جانیں وار دیتی ہیں مگر ایسے گروہوں کی دستبرد میں کبھی نہیں آنے دیتیں جو ان کی بنیادوں اور اجزائے ترکیبی کو دیمک کی طرح چاٹنا چاہتے ہوں۔ کیونکہ اس طرح جغرافیائی سرحدیں بھی پامال ہوجایا کرتی ہیں۔ خدا کیلئے ادراک حقائق کے یہ سوتے خشک نہ ہونے دیجیے۔ ابھی وقت ہے انہیں پوری قوت سے تحفظ دیجیے، یوں بھی یہ آپ کے ایمان، اتحاد، تنظیم، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کے حلف کا تقاضا ہے۔ ایسا نہ ہو اس عظیم حلف سے آپ کی شعوری روگردانی اور انحراف سرزمین وطن پر کسی اور ناقابل برداشت سانحے کا سبب بن جائے، اگر خدانخواستہ آپ نے ڈی نیشنلائزیشن کا تعلیم دشمن ناہنجار نوٹیفکیشن منسوخ نہ کیا تو ہمارے قومی و ملی ارتحال کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکے گی۔ سب جانتے ہیں اور سبھوں کو جاننا بھی چاہیے کہ ایسے ہی طریقہ کار سے مشرقی پاکستان بنگلہ دیش کے روپ میں ہمارا منہ چڑا رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ پلوں کے نیچے سے بہت زیادہ پانی بہہ جائے۔ اپنے رویے پر از سر نو غور کیجیے۔ یہ لمحہ فکری ہے جو با آواز بلند پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

عہد حاضر میں کوئی زیست کا عنواں سوچو
ورنہ رہ جائیں گے ہم بے سروساماں سوچو
میرے ماحول کی گھمبیر سی خاموشی سے
اٹھنے والا ہے کوئی قہر کا طوفاں سوچو
مفلسی صورت عفریت بڑھی آتی ہے
ہوشمندان چمن دردکا درماں سوچو

مولانا مجاہد الحسینی

اسلامی معاشرت اور پاکستانی ٹیلی ویژن

تحریک قیام پاکستان کے دوران شدومد کے ساتھ اور زور دے کر یہ بات کہی گئی تھی کہ متحدہ ہندوستان میں چونکہ ہندوؤں اور غیر مسلموں کی تہذیب و معاشرت سے مسلمانوں کو بچانا مشکل ہے، اسلامی اور غیر اسلامی تہذیبیں مشترک نہیں ہوسکتیں، اس لئے اسلامی مملکت پاکستان کا قیام از بس ناگزیر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کی نیک خواہشات کی تکمیل کیلئے مملکت خداداد پاکستان معرض وجود میں آ گئی۔ اس کے ابتدائی مرحلے میں پروپیگنڈے کے ذریعہ صرف ریڈیو ہی تھا، ٹیلی ویژن کی سہولت میسر نہ تھی۔ اس لئے مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت میں کوئی زیادہ تشویش ناک خرابی واقع نہ ہوئی۔

جب سے ٹیلی ویژن کی لعنت پاکستان پر مسلط ہوئی، اس نے ہندو غیر مسلموں کی تہذیب سے اپنی مسلم معاشرت کا اور جاں گداز حالات اور لاکھوں انسانوں کی جانی قربانیوں اور عصمتوں کی بربادیوں کے بعد پاکستان میں آنے والوں کا جس طرح حلیہ بگاڑا ہے اور غیر مسلموں کا آلہ کار بن کر ہماری مسلم روایات جس طرح ختم کی ہیں، وہ محتاج تذکرہ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں بھارتی لیڈر سونیا گاندھی کا یہ جملہ عبرت کیلئے کافی ہے کہ ''ہم اگرچہ پاکستان کا وجود مکمل طور پر ختم نہیں کر سکے لیکن پاکستان ٹیلی ویژن کو اپنے رنگ میں ڈھالنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے اور پاکستان ٹیلی ویژن کی نشریات بھارتی نشریات کا چربہ ہیں''۔

جہاں تک الیکٹرونکس میڈیا کی نشریات کا تعلق ہے، اس کی بابت اخبارات میں کئی احتجاجی اداریے اور مضامین شائع ہو چکے ہیں لیکن گزشتہ ماہ کے اخبارات میں علاقہ اقبال ٹاؤن لاہور کے رہائشی اور اسٹیٹ بینک کے ریٹائرڈ افسر عبدالرفیق کے قتل اور اس کی اہلیہ کے زخمی ہونے کی جو خبر شائع ہوئی ہے، اسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں کہ پاکستان میں ٹیلی ویژن کے اثرات بد کہاں تک سرایت کر چکے ہیں۔

خبر میں بتایا گیا ہے کہ عبدالرفیق کا اکلوتا بیٹا جسے نہایت ناز و تمناؤں سے پالا گیا تھا اور اسے کرکٹ بورڈ میں پندرہ ہزار روپے ماہوار کی ملازمت بھی میسر تھی، وہ ٹیلی ویژن کی ایک اداکارہ کی محبت میں گرفتار ہوگیا اور برے کاموں میں سرگرمی کا مظاہرہ کرنے لگا۔ ماں باپ نے بہت سمجھایا مگر وہ باز نہ آیا، اپنی تنخواہ کے علاوہ اپنے والدین سے بھاری رقوم کا مطالبہ کرنے لگا، باپ کے منع کرنے پر منظم نامی اکلوتا، لاڈلا بیٹا بدتمیزی پر اتر آیا۔ چنانچہ گزشتہ ماہ اپنے والد سے

پھر تکرار ہوگئی اور اس نے پستول سے باپ کا سینہ چھلنی کر دیا، ماں جان بچانے کو آگے بڑھی تو اسے بھی زخمی کر دیا، اس طرح یہ خاندان تباہی و بربادی سے دوچار ہو گیا ہے۔

ٹیلی ویژن نے ایک عرصے سے اسلامی تہذیب و معاشرت اور پاکستانی کلچر کے خلاف جو زبردست مہم چلا رکھی ہے، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ پاکستان میں قتل و غارت گری، عصمت دری، گینگ ریپ اور چوری، ڈکیتی کے پرتشدد اور شرمناک واقعات روزمرہ کا معمول بن گئے ہیں۔ ٹیلی ویژن نوجوان لڑکے لڑکیوں کیلئے بے راہ روی اور دہشت گردی کا تربیتی ادارہ بن گیا ہے۔ اس کے ذریعے جو ڈرامے دکھائے جاتے ہیں جو ناچ گانے نشر کئے جاتے ہیں، انتہائی درجہ شرمناک اور حیا سوز ہوتے ہیں۔ ان نشریات کا پاکستانی تہذیب و معاشرت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے، نوجوان لڑکیوں سے جو اداکاری کرائی جارہی ہے اور پی ٹی وی پر عریانی کا جو مظاہرہ ہو رہا ہے، اس سے ایسے ہی لڑکے، لڑکیاں جنم لیں گے جو اپنے ماں باپ کی عزت ہی خاک میں نہیں ملا دیتے بلکہ ان کی جان کے بھی دشمن ہو جاتے ہیں۔ پاکستان کے تمام الیکٹرونکس ادارے پاکستان کے نہیں بلکہ ہندوؤں، یہودیوں اور عیسائیوں کی تہذیب و تمدن کو فروغ دینے اور ان کے پروپیگنڈے کا مؤثر ذریعہ بن گئے ہیں، جب تک ان کی نشریات کا موجودہ طریقہ کار جاری ہے، اس وقت تک پاکستان کے اندرونی حالات بدمعاشی، قتل و غارت گری، دہشت گردی اور تشدد آمیز واقعات سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

حکمران مختلف شعبوں میں اصلاحات کے اقدامات کی بات کرتے ہیں، یہ ٹیلی ویژن کی نشریات میں بے ہودگی اور لچرپن کا عنصر کیوں برداشت کیا جارہا ہے اور ٹیلی ویژن کے ارباب اختیار کو کیوں کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ وہ پاکستان کی نوے پچانوے فیصد آبادی کے جذبات اور ان کی اسلامی معاشرت کو نظر انداز کر کے پانچ فیصد بلکہ اس سے بھی کم چند غیر مسلم فرموں کے مفاد کی خاطر اور ان کے مالی تعاون سے مسلم اکثریت کی تہذیب و معاشرت کا حلیہ بگاڑتے رہیں اور اسلامی تہذیب و تمدن کی ایک ایک نشانی مٹاتے رہیں۔ حکومت خصوصاً صدر مملکت کو اس خبر کی ہولناکی کا احساس کرتے ہوئے مسلم گھرانوں، والدین اور ان کی اولاد پر رحم کرنا چاہیے، ورنہ مغربی تہذیب و معاشرت کے برے اثرات اب اقتدار کو بھی اپنی لپیٹ میں لینے کا سبب بن سکتے ہیں۔

کیا ہے کوئی عبرت و نصیحت پر عمل پیرا ہونے والا؟

❁ ❁ ❁

محمد ارسلان زاہد

انصاف......ایوانِ اقتدار، اور......مولانا اعظم طارق

صدر مملکت جنرل پرویز مشرف نے اپنے ۱۲ر جنوری ۲۰۰۲ء کے خطاب میں لشکر طیبہ، جیش محمدؐ، تحریکِ نفاذِ شریعتِ محمدیؐ، سپاہ صحابہؓ اور تحریک جعفریہ کو دہشت گرد قرار دے کر اُن کی ہر قسم کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی تھی جہادی تنظیموں لشکر طیبہ اور جیش محمدؐ کے ساتھ ساتھ سپاہ صحابہؓ اور تحریک جعفریہ کو بھی پابندی کے صدارتی آرڈر نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سپاہ صحابہؓ اور تحریک جعفریہ کو خاص طور پر فرقہ واریت اور دہشت گردی میں ملوث قرار دے کر اُن کو کام سے روک دیا گیا۔ ملک کے اندر اُن کی ہر طرح کی سرگرمیوں پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی۔ صدر مملکت کے اعلان کے ساتھ ہی قانون نافذ کرنے والے اداروں نے ملک گیر دروازہ توڑ آپریشن کرتے ہوئے مذکورہ تنظیموں کے کارکنوں اور عہدیداروں کی بڑے پیمانے پر پکڑ دھکڑ شروع کر دی۔ روز بروز ان تنظیموں کے گرفتار کارکنوں اور عہدیداروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ حکومت کے الزامات اگرچہ سپاہِ صحابہؓ اور تحریک جعفریہ پر یکساں تھے لیکن حکومتی عتاب کا عملی نشانہ سپاہِ صحابہؓ ہی بنی۔ حکومت نے مولانا محمد اعظم طارق سے لے کر عام کارکن تک ہزاروں بے گناہوں کو پابند سلاسل کیا اور ان کے مقدمات کو خصوصی عدالتوں میں منتقل کر کے اپنی منشاء کے مطابق فیصلوں کے لئے دباؤ بڑھایا۔ جبکہ دوسری طرف سے علامہ ساجد نقوی کو گرفتار کرنے کی زحمت گوارا کی اور نہ ہی ان کی تنظیم کے ''اعزاز'' میں پکڑ دھکڑ کا کوئی جامع پروگرام ترتیب دیا۔ بس کچھ غیر معروف لوگوں کو گرفتار کر کے کوٹہ پورا کیا گیا۔ اب عملاً صورتِ حال یہ ہے کہ کالعدم تحریک جعفریہ پوری آب وتاب کے ساتھ اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے ہے پریس کانفرنسوں اور جلسے جلوسوں سے خطاب کیا جا رہا ہے۔ حکومتی عمائدین سے ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔

تو کیا ساڑھے چودہ کروڑ کے اس ملک میں حکومت کو اگر کوئی سب سے بڑا دہشت گرد نظر آتا ہے تو وہ بے چارہ اعظم طارق ہی ہے؟ اُس کے جرائم کی فہرست میں سب سے بڑا جرم یہی ہے کہ وہ ناموسِ اصحابؓ محمد ﷺ کے تحفظ کے لئے حکومت سے قانون مانگتا ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ بابائے قوم محمد علی جناحؒ کی شان میں گستاخی کے مرتکب کے لئے دس سال قید بامشقت کی سزا موجود ہے لیکن محمد عربی ﷺ کے مقدس اصحابؓ پر صبح وشام سب وشتم کرنے والے کو روکنے کے لئے کوئی قانون نہیں ہے۔ وہ گلی گلی، کوچے کوچے عظمتِ صحابہؓ کے ترانے گانے کے لئے پہنچ جاتا ہے یہی اُس کا جرم ہے کہ ںس کی وجہ سے وہ گزشتہ بارہ سال سے حکومتی عقوبت خانوں کے چکر کاٹ رہا ہے۔ کبھی اُسے دہشت گرد قرار دے کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے اور کبھی اُس کی حفاظت کا بھونڈا بہانہ بنا کر اُسے اپنی اہلیہ اور بچوں سے دور کر دیا جاتا

ہے۔گویا حکومت نے دہشت گردوں کی اقسام بنا رکھی ہیں اور جو حکومت کی اس غیر اعلانیہ تقسیم نے ملک کے عقل منداور صاحبِ بصیرت لوگوں کو بہت کچھ سوچنے کا جواز فراہم کر دیا ہے۔کیا حکومت کا دانشمند گروہ اس بات کا ادراک نہیں رکھتا کہ حکومت کی یہ دوزخی پالیسی فرقہ واریت کو پروان چڑھانے کا سبب بنے گی اور فرقہ واریت کو ختم کرنے کا حکومتی خواب بکھر کر رہ جائے گا۔حکومت کے ناروا سلوک کا نشانہ بننے والا گروہ اپنے اندر حکومت کے خلاف نفرت اور کدورت کے جذبات پالے گا۔ایک کو نوازنے اور دوسرے کو رگیدنے کی یہ پالیسی یقیناً امن وامان کے فروغ میں رکاوٹ بنے گی۔

سیدھی بات ہے کہ جب دونوں پارٹیاں فرقہ وارانہ سرگرمیوں میں ملوث ہیں تو پھر دونوں کے ساتھ یکساں سلوک ہونا چاہیے اور اگر کوئی امن دشمن سرگرمیوں میں ملوث نہیں تو پھر اُسے پابندی سے مستثنیٰ قرار دے کر اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کی اجازت ہونی چاہیے۔لیکن جب پابندی لگ چکی تو پھر ایک جماعت کے مقدر میں جیل کی سلاخیں اور دوسری کے مقدر میں سرکاری پروٹوکول کیوں؟

آخر میں چند گزارشات متحدہ مجلس عمل کی قیادت سے۔یقیناً اُن کا ملکی سلامتی کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا ایک نیک شگون ہے۔مذہبی کارکنوں کی یہ عرصے سے آرزو تھی کہ اُن کے قائدین ملکی ونظریاتی سرحدوں کے تحفظ کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر نفاذِ اسلام کی طرف پیش قدمی کا سفر شروع کریں۔آج متحدہ مجلس عمل کی صورت میں اُنہیں اپنے خوابوں کی تعبیر مکمل ہوتے نظر آ رہی ہے۔لیکن کیا قائدین مجلس نے کبھی یہ سوچا کہ اُن کی صفوں میں حکومت کی طرف سے دہشت گرد قرار دی گئی کالعدم تنظیم (تحریک جعفریہ) کے قائد بھی مجلس کی نائب صدارت کے عہدے پر متمکن ہیں۔یہ تنظیم افغانستان پر امریکی حملے کے دوران حکومت کی ہم نوا تھی۔سقوطِ کابل کا جوجشن اس تنظیم نے منایا، پوری قوم اُس سے آگاہ ہے۔یہ وہی جماعت ہے جو ماضی قریب میں کشمیر میں جہاد کرنے والی سب سے زیادہ معروف تنظیم کالعدم جیش محمدؐ کو دہشت گرد قرار دلوانے کے لئے حکومت پر دباؤ بڑھا رہی تھی۔جیش محمدؐ کے قیام وتاسیس کے بعد قائد ملتِ جعفریہ نے جو بیان دیا وہ ریکارڈ پر ہے کہ ''جیش محمدؐ جہادی تنظیم نہیں بلکہ دہشت گردوں کا منظم لشکر ہے'' کیا ایسا ''شاندار'' ریکارڈ رکھنے والا لیڈر متحدہ مجلس عمل کی صفوں میں مضبوطی کا سبب بن سکتا ہے؟

عمر فاروق ہارڈ ویئر اینڈ مل سٹور

عمارتی و صنعتی سامان، ہارڈ ویئر، پینٹس، ٹولز، بلڈنگ میٹریل

گورنمنٹ سے منظور شدہ کنڈے، باٹ و پیمانہ جات

صدر بازار۔ڈیرہ غازی خان فون:0641-462483

''ضرورتِ رشتہ''

ضرورت ہے ایک ایسے مردِ نوجوان کی، جس کا خون یخ ٹھنڈا ہو، وہ مذہبی عالم ہو مگر زیادہ ''دیندار'' نہ ہو، اسے عربی بے شک نہ آتی ہو مگر انگریزی فر فر بول لیتا ہو، لباس میں کوٹ پتلون، ٹائی، کھانے میں پیزا ہٹ، کے ایف سی چکن اور برگر کا شیدائی ہو، چہرے پر چیچک کے داغ بے شک ہوں مگر ڈاڑھی نہ ہو اور اگر ہو تو بہت چھوٹی ہو، مزاج کا ضدی ہرگز نہ ہو بلکہ زمزم کے ساتھ بیئر کی چسکی کو بھی جائز قرار دیتا ہو۔ اس کی گردن کا مٹکا اگر ٹوٹا ہوا ہو تو کیا کہنے، اگر سلامت ہو تو گردن جھکانے میں عار نہ سمجھتا ہو، اس کے سر پر بال ہوں یا نہ ہوں مگر ناک موم کی ہونی چاہیے، جدھر موڑیں، ادھر مڑ جائے، ہاں! اگر ڈسپوزایبل ناک کا مالک ہو تو سبحان اللہ۔ اس کے سینے میں دل کی جگہ معدہ اور معدہ کی جگہ مثانہ ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں پر مظالم سنے اور دل پکڑ کر بیٹھ جائے۔ قرآن کا عالم ہو مگر جہاد کو بالکل نہ مانتا ہو، جاگتے ہوئے تو درکنار کبھی خواب میں بھی جہاد کا نام نہ لیتا ہو۔ مجاہدین کا صرف مخالف ہی نہیں بلکہ سخت دشمن ہو اور انہیں مارنا، ستانا اور ختم کرنا اپنی زندگی کا اہم ترین مشن سمجھتا ہو۔ امن پسند اتنا ہو کہ کوئی اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) برا بھلا کہے، انبیاء علیہم السلام کی (نعوذ باللہ) توہین کرے تو اس کے ماتھے پر بل تک نہ آئے بلکہ وہ ہر گالی پر مسکراہٹیں نچھاور کرتا رہے، ہاں! اگر کوئی بد بخت حکومت یا امریکہ پر اعتراض کرے تو وہ غصے میں آپے سے باہر ہو کر جنگلی بیل کی طرح ڈکرانے لگے۔

وہ اپنے من میں اتنا ڈوبا ہوا ہو کہ اسے نہ فلسطین نظر آئے، نہ چیچنیا، اسے نہ کشمیر سے کوئی غرض ہو، نہ گجرات (بھارت) سے، اسے نہ فلپائن میں بہنے والا خون تڑپائے، نہ برما کی لٹی ہوئی عصمتیں، اسے نہ مسجد اقصیٰ کی فکر ہو نہ بابری مسجد کی، وہ نہ بوسنیا کی اجتماعی قبریں یاد کرے نہ ایتھوپیا کے مظالم۔ وہ سود کو حلال اور خالص دینی مدارس کو حرام سمجھتا ہو، وہ خاندانی منصوبہ بندی کا لٹھ بردار، حامی اور پردے کا بہانگ دہل مخالف ہو۔ وہ قطعی طور پر فرقہ پرست نہ ہو بلکہ غیر مسلموں کو مسلمانوں پر ترجیح دیتا ہو اور اس کی نظر میں کفر و اسلام یکساں ہوں۔ وہ تنگ نظر نہ ہو کہ حرام چیزوں کو دیکھ کر منہ پھیر لیتا ہو بلکہ وہ اعلیٰ درجے کا روشن خیال ہو، ایسا روشن خیال کہ اسلام کے کسی حکم پر ضد یا اصرار نہ کرے۔ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کو حرام، دہشت گردی، فسطائیت اور قدامت پسندی سمجھتا ہو جبکہ کافروں کیلئے اپنا سب کچھ لٹانا اور فدا کرنا عزت مندی اور عین سعادت سمجھتا ہو۔

وہ مولویوں میں سے ہو مگر مولویوں کا دشمن اور مغرب کا پرستار ہو، نماز بے شک پڑھ لیتا ہو مگر جماعت وغیرہ کے

جھمیلوں میں نہ پڑتا ہو، شلوار بے شک (اگر چاہے تو) پہنتا ہو مگر ٹخنے ننگے کر کے ملک کو بدنام نہ کرتا ہو۔ ہاں ٹخنوں کے علاوہ کوئی پابندی نہیں کیونکہ عالمی میڈیا صرف ٹخنے ننگے کرنے کو بے حیائی سمجھتا ہے۔ وہ بارہ ربیع الاوّل کو میلاد ضرور پڑھتا اور کھاتا ہو مگر ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے عشق میں مغلوب ہو جائے اور ان کی طرح پوری امت کا درد دل میں لے کر بیٹھ جائے بلکہ وہ تو کسی مسلمان کے درد کو دل میں رکھنا دہشت گردی سمجھتا ہو، وہ ہر کام اوپر سے پوچھ کر کرنے کا عادی ہو اور ہر حکم پر جی سر کہنے کا خوگر ہو۔ وہ ایسا بہادر ہو کہ غیروں سے لڑنے کو گناہ اور اپنوں کے گلے کاٹنے کو لازم سمجھتا ہو۔ وہ اتنا سمجھ دار اور غیور ہو کہ کافروں کو دن رات مذاکرات کی اور اپنوں کو جیل خانے کی دعوت دیتا ہو، اسے مذہب پر اتنی دسترس ہو کہ ہر مجبوری کیلئے دلیل اور اوپر کے ہر فیصلے کیلئے شرعی ثبوت ڈھونڈ لیتا ہو۔

ضرورت ہے ایسے شخص کی.......... ابھی میرا اعلان یہاں تک ہی پہنچا تھا کہ استاذ جی ''قلندر'' نے ٹوک دیا اور پوچھا کہ ان ''عظیم عبقری صفات'' والے شخص کو کیا کرو گے؟ درویش نے جواب دیا کہ ایک رشتہ آیا ہوا ہے، یا یوں سمجھیں کہ بس آیا ہی چاہتا ہے۔ ہمارے محترم دوست ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب وزارت مذہبی امور کو طلاق دے رہے ہیں۔ قلندر نے فرمایا ''طلاق نہیں خلع کہو، بلکہ یہ کہو کہ وزارت مذہبی امور غازی صاحب کو طلاق دے رہی ہے''۔ یوں ہی سمجھ لیجیے! بس اسی لئے درویش اپنا کشکول اٹھا کر...... محترمہ وزارت مذہبی امور صاحبہ کیلئے حالات اور زمانے کے مطابق دولہا تلاش کر رہا ہے۔ غازی صاحب تو محترمہ کو خوش نہ کر سکے حالانکہ انہوں نے بھی بہت ناز اٹھائے لیکن افسوس! مذکورہ بالا ساری صفات ان میں موجود نہیں تھیں۔

(مطبوعہ روزنامہ ''اسلام'' کراچی)

ماھانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان

دارِ بنی ھاشم مہربان کالونی۔ ملتان 29/اگست بروز جمعرات بعد نماز مغرب

ابن امیر شریعت حضرت پیر جی

سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

الداعی الی الخیر: سید محمد کفیل بخاری، ناظم مدرسہ معمورہ، دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی۔ ملتان فون: 061-511961

حافظ ضیاء الدین احمد
ٹمن ضلع چکوال

میں نے بھی شاہ جیؒ کو سنا

بچپنے میں جب شعور کی آنکھ کھلی تو شاہ جی سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد اسحٰق مانسہروی کا ذکر اکثر گھریلو علمی ماحول میں سننے میں آتا، جب برادر مکرم علامہ نورالحسن خان مرحوم (سابق پروفیسر پنجاب یونیورسٹی) دیو بند سے فارغ التحصیل ہو کر اپنے گاؤں ٹمن تشریف لائے تو اُن کی زبانی مولانا ابوالکلامؒ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا اکثر ذکر ہوتا

والد مرحوم مولانا محمد امام غزالی فاضل دیو بند نے ایک بار شاہ جیؒ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ شاہ جیؒ ٹمن تشریف لائے، گرمیوں کا موسم تھا، شاہ جیؒ رات کے وقت مولانا گل شیر شہیدؒ کی سُسرالی حویلی میں جو کہ کھلی اور ہوادار تھی آرام فرما رہے تھے، خلافت کا دور تھا، رات گئے تک تحریک خلافت سے متعلق باتیں ہوتی رہیں، بعد ازاں شاہ جیؒ سو رہے اور والد مرحوم بھی آرام کے لئے گھر تشریف لائے۔ اسی رات والد مرحوم کو خواب آیا کہ شاہ جیؒ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ صبح نماز کے بعد والد مرحوم نے اپنا خواب شاہ جیؒ کو سنایا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت شاہ جیؒ نے پیغام بھیجا کہ آپ کا خواب سچا ثابت ہوا ہے، اللہ جل شانہ نے مجھے بیٹا عطا فرمایا ہے۔ جس سعادت مند بیٹے کی یہ بشارت تھی، وہ سید عطاء المنعم مرحوم (ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ) تھے۔

میں نے پہلی بار حضرت شاہ جیؒ کو میانوالی میں دیکھا جب کہ میں چھٹی جماعت کا طالب ہونے کے ساتھ ساتھ قانونچہ کھیوالی پڑھتا تھا شاہ جیؒ چچا شیر محمد زرگر کے ہاں قیام پذیر تھے دیگر احراری اکابرین مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ صوفی عبدالرحیمؒ، غلام محمد ہاشمیؒ، ڈاکٹر غلام حیدرؒ اور صوفی اللہ دادؒ صاحبان بھی موجود تھے۔ رات بھر صاحب خانہ کے ہاں محفل جمی رہی دوسرے روز ظہر کے بعد عید گاہ میں حضرت شاہ جیؒ کی تقریر ہوئی بڑھاپے کا غلبہ تھا جسمانی طور پر کافی کمزور دکھائی دیتے تھے۔ لیکن آواز میں جوانی کی سی ترنگ تھی قرآن پڑھنے کا انداز ایسا مسحور کن تھا معلوم ہوتا تھا کہ کلام الٰہی کا اب نزول ہو رہا ہے، اشعار پڑھتے تو پھولوں کی سی مہک آتی تھی۔

صحیح سال تو یاد نہیں غالبًا انچاس یا پچاس کے لگ بھگ میں دینی تعلیم کے سلسلے میں ملتان گیا۔ ملتان کا پروگرام بنا تو والد مرحوم سے اجازت چاہی تو فرمانے لگے کہ ابھی تم صرف اور نحو کی ابتدائی کتب پڑھ رہے ہو، یہ ابتدائی کتب مدارس میں ٹھیک نہیں پڑھائی جاتیں، تم چند سال میرے پاس رہ کر ابتدائی کتب ختم کر لو بعد میں بغرض تعلیم باہر چلے جانا۔ مگر میں ذہنی طور پر گھر سے باہر تعلیم حاصل کرنے کا پروگرام بنا چکا تھا۔ لہٰذا اپنے مدرسہ غزالیہ کے ایک طالب علم کو لے کر عازم ملتان ہوا۔ ملتان میں ان دنوں عید گاہ روڈ پر پیر مبارک شاہ مرحوم کا قائم کردہ مدرسہ تعلیم الاسلام تھا، جس کے مہتمم مکھیانہ کے قاسمی

صاحب تھے۔ میں وہاں داخل ہوگیا، استاد نہایت قابل اور بڑے شفیق تھے۔اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے۔اُن کا نام نامی مولانا منظور الحق تھا، میں نے نحو میں کافیہ، فقہ میں کنز اور منطق میں میر ایساغوجی شروع کی۔حضرت استاذی مرحوم کو تمام درسی علوم میں مہارت کاملہ تھی ایسا پڑھاتے کہ دل و دماغ میں ہر مسئلہ یوں بیٹھتا کہ

''میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے''

جمعہ کے دن دینی مدارس میں چھٹی ہوتی ہے، لہٰذا ہم تمام طلبائے مدرسہ جمعہ کی نماز مولانا محمد علی جالندھریؒ کے پیچھے سراجاں والی مسجد میں ادا کرتے۔ایک بار ایسا ہوا کہ میرے ایک طالب علم ساتھی غلام یٰسین مجھے نماز جمعہ کے بعد حضرت شاہ جیؒ کی خدمت میں حاضری کے لئے اُنؒ کے گھر لے گیا۔شاہ جیؒ موسم کی شدت کے باعث قمیص اُتار کر ایک کھردری چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے، ہاتھ میں دستی پنکھا تھا، کمرے کا جائزہ لیا، قالین نہ صوفہ۔غالباً فرش بھی کچا تھا، یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ ایک طرف پانی کا گھڑا جس پر مٹی کا کٹورا رکھا ہوا تھا۔شاہ جیؒ آنکھیں بند کر کے لیٹے ہوئے تھے۔ہم اندر داخل ہوئے تو شاہ جیؒ نے دھیمے لہجے میں فرمایا کون؟ غلام یٰسین نے جو کہ حضرت کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا رہتا تھا کہا یٰسین، فرمایا آؤ، آؤ بیٹا۔ میں حیران و پریشان وہ شیر جس کی ایک گونج سے کفر وظلمات کے ایوانوں میں زلزلہ آ جاتا تھا، جس کا نام مشرق و مغرب میں انگریز دشمنی میں مشہور تھا، وہ مجاہد جس کی للکار سے کاسہ لیسان انگریز کانپ کانپ جاتے تھے یہ درویشانہ زندگی، کچھ دیر رقت غالب رہی، بعد میں آنسوؤں کو مولویانہ رومال سے صاف کیا۔ بیٹھے بیٹھے یٰسین صاحب اُٹھے اور شاہ جی کو دبانے لگے میں بھی اٹھا شاہ جی کے پاؤں میرے حصہ میں آئے دباتے رہے، فرمانے لگے: ''یہ نیا طالب علم کہاں کا رہنے والا ہے اور کیا پڑھتا ہے''؟ میں نے والد صاحب کے حوالہ سے اپنا تعارف کرایا، فوراً پاؤں کھینچ لئے، چونک کر اٹھ بیٹھے فرمایا: ''وہ تو اب لاش بن ہوگیا ہوگا''۔ میں سمجھا نہیں اس استفہامیہ کلام کی وضاحت فرمائی کہ تمہارے والد بہت ضعیف ہو گئے ہوں گے، میں نے عرض کی، نہیں حضرت! میرے والد صاحب بحمداللہ صحت و عافیت سے ہیں، دس بارہ اسباق پڑھانا روز کا معمول ہے۔ یہ سُن کر بہت خوش ہوئے پھر مولانا گل شیر شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرمایا کہ جب میں ٹمن گیا تو موصوف ابتدائی دینی کتب تمہارے والد صاحب سے پڑھتے تھے۔ پھر مولانا محمد اسحٰق صاحب کے متعلق پوچھا، میں نے انہیں بتایا کہ وہ مسجد انگوری راولپنڈی کے ایک حجرہ میں قیام پذیر ہیں۔آپ نے ایک لمبی آہ بھری فرمایا: ''شیر تھا شیر''۔اسی اثنا میں فرمایا کہ میرے بڑے بیٹے عطاء المنعم کی پیدائش کی پیش گوئی تمہارے والد صاحب نے کی تھی۔

میں ایک سال تک ملتان کے مدرسہ تعلیم الاسلام میں پڑھتا رہا، رمضان شریف کی تعطیلات میں واپس گھر آیا، کچھ دنوں بعد والد مرحوم نے میری پڑھی ہوئی کتب کا امتحان لیا۔امتحان میں کامیاب ہوا، والد صاحب مرحوم نے دوبارہ تعلیم کے لئے ملتان جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔گزشتہ ایک سال کے ملتان کے قیام کے دوران حضرت شاہ جیؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت بلا ناغہ حاصل کرتا رہا۔ایک بار ایسا ہوا کہ میں حضرت شاہ جی کے پاؤں دبا رہا تھا، جذبات میں

آ کر پاؤں پر بوسہ دے دیا، حضرت نے ناگواری کا اظہار فرمایا، میں نے کہا کہ آپ کے بعد آپ کے عقیدت مندوں سے اور اپنے احباب سے یہ کہہ سکوں گا کہ مجھے حضرت کی پابوسی کا اعزاز حاصل ہے، شاہ جیؒ یہ سن کر مسکرائے اور خاموش ہو گئے۔

رمضان شریف کی تعطیلات کے بعد جب مدرسہ میں حاضر ہوا تو استاذی المکرّم مولانا منظور الحق مرحوم اپنے چچا مولانا عبدالخالق صاحب مرحوم کے ایما پر مدرسہ نڑھال تحصیل کبیروالہ میں تدریسی فرائض دینے کے لئے تیار تھے۔ چنانچہ میں نے بھی اُن کے ہمراہ جانے کا فیصلہ کرلیا۔ قیام ملتان کے دوران جب میں حضرت شاہ جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا مجھ پر خصوصی شفقت فرماتے، دیکھتے ہی اپنے پاس بلا لیتے، پڑھائی کے متعلق دریافت کرتے، نصیحت فرماتے کہ بیٹا دل لگا کر پڑھو پھر حاضرین مجلس کو میرے والد مرحوم کے حوالہ سے مجھے متعارف کرواتے۔ انہیں دنوں بھارت کی فوجیں پاکستان کی سرحدوں پر جمع ہونا شروع ہو گئیں، اُسی موقع پر لیاقت علی خان کا مکہ اخبارات کی زینت بنا، اس دوران شاہی قلعہ ملتان پر ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا۔ شاہ جیؒ نے بھارت کے خلاف تقریر فرمائی، آپ نے تقریر کے دوران قرآن حکیم کی کسی آیت کی تفسیر بیان فرمائی، پیچھے بیٹھے ہوئے مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے آواز دی: ''شاہ جی! اس آیت کی تفسیر دوبارہ بیان فرمائیں''۔ شاہ جیؒ نے اپنے مخصوص خطیبانہ انداز میں مولانا خیر محمد جالندھری مرحوم کے ارشاد کی تعمیل کی تو حضرت مولانا عش عش کر اٹھے۔

کچھ عرصہ بعد سید عطاء المنعم بخاریؒ نے ''شہدائے بالاکوٹ کانفرنس'' منعقد کی یہ کانفرنس حضرت شاہ جیؒ کی صدارت میں ہوئی تھی۔ شاہ جیؒ لاہور گئے ہوئے تھے۔ جلسہ شروع ہوا سٹیج سے بار بار اعلان ہو رہا تھا کہ شاہ جیؒ ابھی آنے والے ہیں۔ اس وقت صاحبزادہ سید عطاء المنعم صاحبؒ کی بے قراری دیدنی تھی، بار بار سڑک پر نظر کرتے شاید شاہ جی آ رہے ہوں۔ آخر حاضرین کو مطمئن کرنے کیلئے خود تقریر شروع کر دی۔ ابھی تقریر شروع ہوئے چند منٹ گزرے تھے کہ شاہ جیؒ آہستہ آہستہ سٹیج پر تشریف لے آئے اور اپنے آنے سے سید عطاء المنعم صاحبؒ کو اس طرح آگاہ فرمایا، عطاء المنعم صاحب نے کوئی تاریخی حوالہ دیا شاہ جی نے استفسار فرمایا کہ ''یہ واقعہ کونسی کتاب میں ہے''۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، شاہ جیؒ نے گلے میں پستول لٹکایا ہوا تھا اور ہاتھ میں کلہاڑی تھی۔ سید عطاء المنعمؒ نے باقی تقریر بڑی دلجمعی کے ساتھ کی۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ حضرت تشریف لا چکے ہیں۔ آخر میں حضرت شاہ جیؒ نے اپنی تقریر کا آغاز ایک ایسے خطبے سے کیا جو ختم ہونے کو نہیں آتا تھا، بعد ازاں قرآن حکیم کی تلاوت شروع کی، مجمع پر ایسا سحر ہوا کہ بار بار تلاوت پر ہی حاضرین کا اصرار رہا۔ چنانچہ حضرت بھی تقریر کی بجائے، تلاوت ہی فرماتے رہے۔

حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں غور و تفکر اور عبرت آموزی کا بڑا سامان تھا۔ وہ ایک کامیاب اور اولوالعزم انسان تھے۔ میں اپنے ان عقیدت مندانہ جذبات کا اختتام اس شعر پر کرتا ہوں۔

کچھ ایسے بھی اُٹھ جائیں گے اِس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

مرتب: اقرار فکری

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

معاصرین کی نظر میں

نام ور دینی و علمی اور انقلابی شخصیات کا خراج تحسین

☆ **مولانا ابو الکلام آزادؒ:** ''خطابت آپ کو عطیہ الٰہی ہے، آپ خطاب کے سمندروں سے موتی نکال لاتے ہیں۔ آپ کا اردو خطابت میں وہی مقام ہے جو اردو شاعری میں میر انیس کا درجہ ہے۔ قومی جدوجہد پر ملک وملت کا ہر گوشہ آپ کا شکر گزار ہے۔ اللہ کے ہاں آپ کا بڑا اجر ہے''۔

☆ **مولانا سید حسین احمد مدنیؒ:** ''ان کا دل صرف اسلام کیلئے دھڑکتا ہے۔ وہ اس زمانے میں اسلام کی زبان ہیں''۔

☆ **علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ:** ''وہ یگانہ روزگار خطیب ہیں۔ قادیانیوں کے خلاف ان کی ایک تقریر ہماری پوری تصنیف سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ عطاء اللہ، عہد نبوت میں ہوتے تو ناقۂ رسالت کے حُدی خواں ہوتے''۔

☆ **حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ:** شاہ جیؒ! قدرت نے آپ کو لسان پیدا کیا ہے۔ اس میدان میں آپ کبھی پیچھے نہیں رہیں گے''۔

☆ **حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ:** ''ان کی باتیں تو عطاء اللّٰہی ہوتی ہیں''۔

☆ **حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ:** ''عطاء اللہ شاہ علماء کی آبرو ہیں''۔

☆ **علامہ محمد اقبالؒ:** ''شاہ جیؒ، اسلام کی چلتی پھرتی تلوار ہیں''۔

☆ **مولانا محمد علی جوہرؒ:** ''آپ مقرر نہیں ساحر ہیں، تقریر نہیں جادو کرتے ہیں۔ آپ لوگوں کو مرغ و بریانی کھلائیں گے تو ہمارا ساگ ستو کون پوچھے گا''؟

☆ **مولانا شوکت علیؒ:** ''وہ بولتے نہیں، موتی رولتے ہیں۔ ان کا وجود چشمۂ صافی ہے''۔

☆ **مولانا ظفر علی خانؒ:** ''اردو میں شاہ جیؒ سے بڑا خطیب پیدا نہیں ہوا اور آئندہ بھی کئی نسلیں اتنا بڑا خطیب پیدا نہ کرسکیں گی''۔

☆ مولانا حسرت موہانی: ''شاہ جیؒ خطابت کے شہسوار ہیں''۔

☆ مفکر احرار چودھری افضل حقؒ: ''مجلس احرار اسلام کا وہ قیمتی ہیرا، جو خطابت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ ان کی دو تقریروں نے میرا کام تمام کر دیا''۔

☆ آغا شورش کاشمیریؒ: ''قرونِ اولیٰ میں پیدا ہوتے تو یقیناً ایک جلیل القدر صحابی ہوتے''۔

☆ مدبّر احرار ماسٹر تاج الدین انصاریؒ: ''وہ علم و ادب، فکر و دانش، سیاست و تدبر کی محفلوں کا چراغ تھے''۔

☆ ضیغمِ احرار شیخ حسام الدینؒ: ''وہ فنِ خطابت کے امام تھے۔ ان کی وفات سے گل ہونے والے اس محفل کے چراغ ہمیشہ روشنی کو ترسیں گے''۔

☆ مولانا مظہر علی اظہرؒ: ''ان کی سیاسی بصیرت کے علاوہ ان کی دینی، ادبی اور علمی بصیرت کی مثال دنیا کے کسی انسان میں نہیں ملتی''۔

☆ مظفر علی شمسیؒ: ''وہ حقیقتاً فنافی الرسول تھے''۔

☆ جانباز مرزاؒ: ''تیرے قدموں میں رہا تاجِ فرنگی کا وقار''۔

☆ مولانا محمد علی جالندھریؒ: ''وہ فقر و استغنا کا پہاڑ تھے''۔

☆ قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ: ''وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے''۔

☆ مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ: ''جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم''۔

☆ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ: ''شاہ جیؒ امیر جہاد ہیں''۔

☆ مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ: ''بخاری مرحوم جیسا اسلام کا شیدائی دنیا میں پیدا ہونا مشکل ہے''۔

☆ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ: ''حضرت شاہ جیؒ جو دینی تاثر بالخصوص قادیانیت کی گمراہی سے لوگوں کو نکالنے کو چھوڑ گئے ہیں۔ اُن کے صدقات جاریہ اور دائمی ثواب ہیں''۔

☆ مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ: ''ایک ایسی شخصیت، جس نے ایسا کام کیا جو ایک صدی میں ایک ادارے سے بمشکل ہو سکے''۔

☆ مولانا خیر محمد جالندھریؒ: ''مجھے ان کے اخلاق و اخلاص کے علاوہ ان کے کمالات نے بھی عقیدت مند بنا چھوڑا۔ وہ ماہر اسرار کلام اللہ ہیں''۔

☆ مولانا مفتی محمد شفیعؒ (مفتی اعظم پاکستان): ''ان کی موت سے علماء کی صف میں پیدا ہونے والا خلا مدتوں پر نہ ہوگا''۔

☆ مولانا منظور احمد نعمانیؒ: ''اسلام اور مسلمانوں کے سچے وفادار تھے۔ وہ برطانوی سامراج کے اولیٰ مخالف مجاہد تھے۔ اُن کی بے پناہ قربانیاں ناقابل فراموش ہیں''۔

☆ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ: ''آج مسلمان ایک اہم شخصیت سے محروم ہوگئے ہیں۔ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ مولانا وقت کے سب سے بڑے خطیب تھے''۔

☆ مولانا امین احسن اصلاحیؒ: ''ہم ایک بڑی طاقتور مذہبی شخصیت سے محروم ہوگئے ہیں''۔

☆ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ: ''اگر کسی زندہ و بیدار قوم میں ایسا باکمال ومخلص پیدا ہوتا تو وہ قوم بام عروج پر پہنچ جاتی اور شاید دوسرے ملکوں میں انقلاب کا ذریعہ ہوتی''۔

☆ مولانا ابوالحسنات قادریؒ: ''آپ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کی خدمات پر ملت ہمیشہ فخر کرے گی۔

☆ مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ: ''ان کی پاکیزہ نورانی صورت، ان کی پاکیزہ سیرت کی ترجمان ہے''۔

☆ مولانا سید محمد میاںؒ (دہلی): ''ایسا بزرگ، جس پر جماعت کو ناز تھا''۔

☆ مولانا عبدالحامد بدایونیؒ: ''شاہ جیؒ اس دور کے علماء وزعماء میں سے تھے۔ جنہوں نے مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علیؒ، مولانا عبدالباریؒ اور عبدالماجد بدایونیؒ کے ہمراہ برطانوی سامراج کے خلاف جہاد عظیم میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ ان کی تقاریر سحر آفرین تھیں''۔

☆ مولانا مفتی محمودؒ: ''شاہ جیؒ نے ہندوستان کے چپہ چپہ پر فرنگی اقتدار کو چیلنج کیا''۔

☆ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ: ''شاہ جیؒ کی شخصیت، ان کا جوش عمل، ان کی قربانیاں اور سب سے بڑھ کر ان کی ساحرانہ خطابت، تحریک آزادی وطن، اس کی پرورش اور ترقی کیلئے ایک بڑی مدد اور بیش قیمت اثاثہ تھی۔ ان کی زندگی کے روشن نقوش نہ صرف تاریخ کے صفحات بلکہ لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے دماغوں پر منقش ہو چکے ہیں''۔

☆ مولانا احمد علی لاہوریؒ: ''وہ ولی کامل اور اسلام کی برہنہ شمشیر ہیں۔ جب تک وہ زندہ ہیں اسلام کو کوئی خطرہ نہیں''۔

☆ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ: ''وہ کسی ایک کے نہیں سب کے ہیں۔ وہ اسلام کی مشین ہیں۔ اس قسم کے نابغہ لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ وہ روزمرہ کی زبان میں دین کے بڑے بڑے مسئلے حل کر جاتے ہیں''۔

☆ **مولانا عبداللہ درخواستیؒ**: ''آپ اسلام اور پاکستان کی زبردست طاقت تھے''۔

☆ **علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ**: انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو بیدار کرنے کیلئے عمر بھر جدوجہد کی اور آزادی کیلئے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کی تھیں۔ اسے مسلمانان برصغیر کبھی فراموش نہیں کر سکتے''۔

☆ **مولانا عبیداللہ انورؒ**: ''آپ کی زندگی اعلائے کلمۃ الحق، زہدو تقویٰ اور حسن عمل کا مستقل باب ہے''۔

☆ **علامہ دوست محمد قریشیؒ**: ''خطابت ان کا فن نہیں، فطرت تھی''۔

☆ **علامہ علاؤالدین صدیقیؒ**: ''اسلام اور آزادی پر دل وجان سے قربان ہو جانا ان کی زندگی کا منتہا تھا''۔

☆ **مولانا احتشام الحق تھانویؒ**: ''ان کی موت سارے عالم اسلام کیلئے نقصان عظیم ہے''۔

☆ **مولانا خان مہدی زمان خانؒ**: ''شاہ جیؒ، جن صفات حمیدہ کے حامل تھے۔ وہ شاید ہی آئندہ کسی ایک شخصیت میں جمع ہوسکیں۔ ان کی شخصیت اتنی جاذب تھی کہ تقریر کیلئے اٹھتے تو جی چاہتا تھا کہ آپ کو دیکھتا ہی رہے''۔

☆ **مولانا لقاءاللہ عثمانیؒ**: ''آہ! وہ ہستی جن کو ہم پیار سے جیل میں ''اَتو'' کہہ کر پکارتے تھے، ہم سے ہمیشہ کیلئے جدا ہوگیا ہے۔ آج وہ، کل ہماری باری ہے''۔

☆ **مولانا اظہار الحق سہیل عباسیؒ**: ''وہ انقلاب لانے والوں کی صف اوّل میں شامل تھے۔ امام الہند، شیخ الاسلام اور سحبان الہند کے ناموں کے ساتھ ساتھ امیر شریعتؒ کا نام بھی اصحاب الرقیم کی طرح تاریخ میں رقم رہے گا''۔

☆ **مولانا عبدالشاہد خان (علی گڑھ)**: ''ان کی خطیبانہ سرگرمیوں اور مجاہدانہ عملی زندگی نے ملک کے گوشہ گوشہ میں وطن پروری اور ملکی آزادی کی لہر دوڑادی۔ قادیانیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر آپ ہی کے جوش خطابت نے بند لگایا اور انگریز پرست جماعتوں کے حوصلے پست کئے''۔

☆ **مفتی جمیل احمد تھانویؒ**: ''ان کو حق تعالیٰ نے وہ ملکہ عطا فرمایا تھا کہ جس بات کو بیان کرنا چاہتے، سننے والے کے دل میں اتار دیتے''۔

☆ **حافظ علی بہادرؒ**: ''ایک فقیر جس کے دل میں خوف خدا اور عشق رسول کے سوا کچھ نہ تھا''۔

☆ **علامہ محمود احمد عباسیؒ**: ''ان کی ہنس مکھ صورت آنکھوں میں پھر رہی ہے۔ اللہ اللہ! کیا دم خم تھا، کیا عزم، ولولہ تھا اور کیا غیر مرعوب شخصیت تھی۔ وہ پیار ومحبت، ایثار وغیرت وحمیتِ اسلامی کے مجسمہ تھے''۔

ادبی شخصیات کا خراج تحسین

☆ **ابوالاثر حفیظ جالندھریؒ:** ''دورِاوّل کے مجاہدین اسلام کے گروہ سے ایک سپاہی راستہ بھول کر اس زمانہ میں آنکلا ہے۔ وہی سادگی، مشقت پسندی، یکسر عمل، اخلاص اور للّٰہیت جو اِن میں تھی وہ عطاءاللہ شاہ میں بھی ہے''۔

☆ **ماہر القادریؒ:** ''خطابت شاہ جیؒ کی کرامت تھی۔ ان کی زندگی جفاکشی اور مجاہدہ کی زندگی تھی۔ آداب شریعت کی وہ نگہداشت نہ کرتے تو اور کون کرتا کہ وہ ''امیر شریعت'' تھے''۔

☆ **فیض احمد فیض:** ''میں اپنے آپ کو تصور کا ہیرو سمجھتا ہوں اور میں نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے کسب فیض کیا ہے''۔ (روزنامہ ''جنگ'' لندن کو انٹرویو)

☆ **عبداللہ ملک:** ''وہ لیلائے حریت کی تلاش میں سیاست کی پرخار وادیوں میں دیوانہ وار مصروف رہے''۔

☆ **احمد ندیم قاسمی:** ''ان کے بے داغ و بے لوث خلوص کی قسمیں صدیوں بعد بھی کھائی جاتی رہیں گی''۔

☆ **ڈاکٹر وزیر آغا:** ''ایک ایسا شخص.......... جو اپنے زمانے میں، مسلمان معاشرے کے سارے طبقوں میں ہردلعزیز تھا۔ جس میں بلا کی استقامت تھی اور جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نگاہِ دوربین کے علاوہ دلِ پردرد بھی عطاء ہوا تھا''۔

☆ **مختار مسعود:** ''اردو نے جب بھی اپنے سرمایہ افتخار پر ناز کیا تو اسے بہت سے لوگ یاد آئیں گے، ان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بھی شامل ہوں گے۔ جن کیلئے سیاست دراصل ایک سٹیج، سیاسی جماعتیں صرف منتظمین جلسہ، ملک بھر کی آبادی محض سامعین اور زندگی ایک طویل اردو تقریر تھی۔ اس خطیبانہ زندگی میں ان کے ہم عصر تو بہت تھے مگر ہمسر کوئی نہ تھا''۔

☆ **عبدالمجید سالک:** ''جیل خانے کی چاردیواری میں آپ کے قہقہے زیادہ وسیع ہوجاتے ہیں''۔

☆ **چراغ حسن حسرت:** ''شاہ جیؒ تقریر نہیں کرتے، غزل کہتے ہیں۔ ہر شعر علیٰحدہ اور مکمل ہوتا ہے''۔

☆ **ڈاکٹر سید عبداللہ:** ''وہ واقعی ان عظیم اشخاص میں سے تھے۔ جن کی ہستی کی ترکیب وتعمیر میں قدرت کے غیر معمولی قوانین نے کارفرمائی کی''۔

☆ **حبیب جالب:** ''تجھ سے پہلے عام کہاں تھی دارورسن کی بات''۔

☆ **علامہ انور صابری:** ''کرے گی ناز تجھ پر حشر تک تاریخ انسانی''۔

☆ **عبدالحمید عدم:** ''اخوت کا پیکر، لگن کا ضمیر''۔

☆ **خواجہ حسن نظامی:** ''انہیں دیکھ کر قرون اولیٰ کے مسلمان یاد آتے ہیں''۔

☆ **مولانا غلام رسول مہر:** ''ان کے وجود کی ماہیت اور معنویت کا ذرہ ذرہ اسلامیت سے سرشار تھا''۔

☆ **زیڈ اے سلیہری:** ''میں نے زندگی میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے زیادہ مؤثر مقرر نہیں سنا۔ ایک بار دہلی میں گھر سے کچھ خریدنے کو جامع مسجد کے پاس بازار کو بھیجا گیا تو دیکھا کہ مسجد کے سامنے لال قلعے کے قریبی قطعے پر شامیانے لگے ہوئے ہیں۔ جلسہ ہو رہا ہے اور شاہ صاحبؒ خطاب فرما رہے ہیں۔ سودہ سلف بھول گیا اور سننے لگا۔ چھ گھنٹے کھڑا رہا۔ شاہ صاحبؒ ہنساتے، رلاتے رہے۔ قرآن کریم کی ایسی دل کھینچ لینے والی تلاوت فرماتے کہ آدمی دنیا و مافیا سے بے خبر اور بے نیاز ہو جاتا''۔

☆ **پروفیسر مرزا محمد منور:** ''میرے پلے رتی بھر ایمان کی دولت جو ہے، اس کا ذرہ میرے قلب میں شاہ جیؒ اور مولانا ظفر علی خانؒ نے ودیعت کیا تھا۔ میں اس جہاں میں بھی ان دونوں کی جوتیوں کا خادم اور اگلے جہاں میں بھی''۔

☆ **نسیم حجازی:** ''جب آزادی کا قافلہ نئے حوصلوں اور تازہ ولولوں کے ساتھ تنگ و تاریک اور ناہموار راستوں پر نمودار ہو رہا تھا اور جب انگریز کی سلطنت کا سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ تب سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا دل و دماغ، روح آزادی کا امین تھا۔ جو لوگ آزادی کے قافلوں کے مقتدا اور پیشوا ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق صرف یہ لکھا جا سکتا ہے کہ جس رات میں انہوں نے اپنے سوئے ہوئے قافلے کو آوازیں دی تھیں۔ وہ کتنی تاریک اور بھیانک تھی اور کیسی پامردی اور حوصلہ مندی کے ساتھ انہوں نے وقت کی آندھیوں اور طوفانوں کے سامنے عزم و یقین کی مشعلوں کو روشن کئے رکھا۔ میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ جب کہیں آزادی کے درس کی تشریح کی جائے گی تو سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا وہاں ذکر ضرور آئے گا''۔

☆ **ساغر صدیقی:** ''میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسے جید عالم دین کے دست شفقت سے سرفراز ہوا''۔

سیاسی عمائدین کا خراج تحسین

☆ **فیلڈ مارشل محمد ایوب خان:** ''وہ جنگ آزادی کے عظیم سپاہی اور اسلام کے بہت بڑے مجاہد تھے۔ قدرت نے انہیں علم و بیان کی نعمتوں سے نوازا تھا''۔

☆ **ذوالفقار علی بھٹو:** ''سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اردو کے سب سے بڑے خطیب تھے۔ انہوں نے مرزائیت کے خلاف زبردست جدوجہد کی اور میں نے مرزائیت کا نوے سالہ مسئلہ حل کر دیا''۔

☆ **ممتاز دولتانہ:** ''شاہ جیؒ جنگ آزادی کے بہادر جرنیل تھے۔ سیاسی اختلافات کے باوجود میں نے ہمیشہ ان کی خدمات کا اعتراف کیا اور ان کی قدر کی''۔

☆ **سردار عبدالرب نشتر:** ''انہوں نے خطابت میں انا الحق کی بنیاد رکھی ہے۔ وہ بیک وقت سر و دمن اور دار و رسن کے خطیب ہیں''۔

☆ **خان عبدالغفار خان:** ''شاہ جیؒ، ہمارے ملک کی آزادی کیلئے جنگ کے بہادر رہنما تھے۔ وہ میرے ساتھی تھے اور میرے مہربان تھے''۔

☆ **میاں محمد شفیع (م۔ش):** ''میں ان کی سادگی اور خطابت کا قلب و جگر سے معترف ہوں''

☆ **نواب بہادر یار جنگ:** ''اے کاش! میں اس شخص کو مسلم لیگ میں لاسکتا؟ اگر یہ میرے ساتھ ہو تو چھے ماہ کے اندر ملک میں انقلاب برپا کر دوں''۔

☆ **نواب افتخار حسین ممدوٹ:** ''شاہ صاحبؒ نے نیک نیتی سے ملک و قوم کی خدمت کی۔ آپ عظیم بزرگ اور بلند پایہ لیڈر تھے۔ ان سا لیڈر صدیوں میں ہی مل سکتا ہے''۔

☆ **قائد کشمیر چودھری غلام عباس:** ''شاہ جیؒ کی شخصیت نہایت جاذب اور ان کا مبلغ علم، ان کی سحر بیانیاں، ان کا اخلاق واقعی قابل ستائش تھے۔ اُن کے مکتب فکر کا نعم البدل اب خارج از بحث ہے۔ ان کی تمام زندگی مسلسل قربانیوں اور قومی جدوجہد کا پیکر تھی۔ کشمیر کیلئے بالخصوص انہوں نے جو کچھ کیا، کوئی کشمیری اسے فراموش نہیں کر سکتا''۔

☆ **محمود علی قصوری:** ''ان کا چلن زندگی کے سفر میں چراغِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے''۔

☆ **ابوسعید انور:** ''ان کی ذات میں جو ذاتی رشتہ تھا۔ اس کے سوا بھی اُن کی شخصیت برصغیر پاک و ہند کی جدوجہد آزادی میں اس قدر اہم کردار ادا کر چکی ہے کہ ان کی عظمت اور یاد ہمیشہ دلوں میں زندہ رہے گی''۔

☆ **خان عبدالولی خان:** ''امیر شریعتؒ نے برطانوی سامراج کے خلاف جہاد کیا اور ملک کو آزاد کرا لیا''۔

☆ **سید احمد سعید کرمانی:** ''سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی خطابت کا یہ عالم تھا کہ گھنٹوں بولتے تھے اور سامعین کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ بولتے چلے جائیں۔ ان کی تلاوت کے سحر سے انسان ہی نہیں درختوں کی ٹہنیاں بھی جھوم رہی ہوتی تھیں۔

☆ **ڈاکٹر غلام جیلانی برق:** ''آج دنیا اس سلاست، حلاوت اور فصاحت کو ترس رہی ہے جو شاہ جیؒ دنیا میں تقسیم کیا کرتے تھے''۔

☆ **مولانا کوثر نیازی:** ''پاک و ہند کی تاریخ آزادی میں ان کی زندگی ایک روشن باب کی حیثیت رکھتی ہے''

☆ **عزیز ہندی (قائد تحریک ہجرت ۱۹۲۰ء):** ''وہ مجھے خادمانِ ملی کی صف میں سب سے پیارا اور باوصف دکھائی دیتا ہے''۔

☆ **ڈاکٹر کے ایم اشرف (سیکرٹری انڈین کمیونسٹ پارٹی):** ''آپ لوگوں پر جادو کرتے ہیں اور ان کے سوچنے کی قوت ماؤف

ہوجاتی ہے۔آپ کی تقریروں سے انقلاب کا خطرہ ہوتا ہے۔اگر ہم لوگ برسر اقتدار آ گئے تو سب سے پہلے آپ کو گولی ماریں گے“۔

غیر مسلم رہنماؤں کا اعتراف عظمت

☆ مہاتما گاندھی: ”وہ ہوا کو روک کر اس سے روانی اور سمندر کو ٹھہرا کر اس سے طغیانی لیتے ہیں۔شاہ جیؒ وہ آگ ہیں جو دشمنوں کے نشیمن پھونکتی اور دوستوں کے چولہے جلاتی ہے“۔

☆ موتی لال نہرو: شاہ صاحب! ”آپ ہندوستان کے دل کی آواز ہیں۔کانگریس سیتہ گرہ کی کامیابی صرف آپ سے وابستہ ہے“

☆ جواہر لال نہرو: ان کی وفات سے ازدو خطابت کا تاج محل ڈھے گیا ہے اور زمانہ ایک ایسی شخصیت سے محروم ہو گیا ہے جس کا وجود اس برعظیم کے لئے ایک عظیم عطیہ تھا۔تاریخ ان کے مقام کا ضرور فیصلہ کرے گی لیکن ہمارے دل ان کے مقام کا تعین کر چکے ہیں کہ انکی رحلت سے آنکھیں اشک بار ہیں۔نجانے اب ان سے کہاں ملاقات ہوگی؟

☆ بھیم سین سچر: ”وہ ان چند بے خوف شخصیتوں میں سے ہیں جن کیلئے میرا دل ہمیشہ بے پناہ احترام کے جذبات سے معمور رہا ہے“

☆ دیوان سنگھ مفتون: ”وہ تاریخ آزادی کے ایک بہادر، نڈر مجاہد، بیباک اور حق گو شخصیت کے مالک ہیں“

☆ پون کمار لاہوری (ہندو صحافی): ”شاہ جی ویدوں اور اپنشدوں کے زمانے کے رشی ہیں۔ان کی شکل ”والمیک رشی“ کی لاہور کے عجائب گھر میں رکھی ہوئی تصویر سے مشابہ ہے آواز میں ان کی گنگا کی پوترتا اور جمنا کی سندرتا ہے“

☆ کرنل ھاڈر (سپرنٹنڈنٹ جیل راولپنڈی): ”جن قیدیوں نے مجھے اثنائے ملازمت میں متاثر کیا ان میں عطاء اللہ شاہ بخاری نام کا ایک سیاسی قیدی بڑی ہی دلفریب شخصیت کا مالک تھا، اس کا چہرہ مہرہ چرچ کے ان مقدس راہبوں کی طرح تھا جن کی تصویریں یسوع مسیح سے مشابہ ہوتی ہیں۔۔یا پھر ان مستشرقین کی طرح جنہیں یورپ میں خاص عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ہم اسے عرب کے بڑے بڑے قاموسیوں سے بھی تشبیہہ دے سکتے ہیں لیکن ان کے صحیح شناسا ہمارے ہاں کتنے ہیں؟ میں اسے اپنا دوست بنانا چاہتا تھا لیکن ہمارے درمیان سب سے بڑی روک ہماری مختلف زبانیں تھیں۔وہ ۱۸۵۷ء کے اس ”اینٹی برٹش“ ذہن کی باقیات میں سے تھا، جنہیں ہمارے پیشرووں نے علماء کو پھانسی دے کر پیدا کیا تھا“۔

☆ وزیر ہند (گول میز کانفرنس لندن میں اعتراف): ”سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ایسا ہے، شخص جو اپنی ایک تقریر سے...... بیک وقت دو حکومتوں کے نظام کو معطل کر دیتا ہے“۔

☆ مسٹر ڈبلیو سی سمتھ (مشہور انگریز مؤرخ): یہ غیر معمولی انسان ہندوستان کی سب سے زیادہ اثر آفریں شخصیت ہونے کا نہایت قوی دعویٰ کر سکتا ہے“۔(”ماڈرن اسلام ان انڈیا“ صفحہ ۲۶۶، مطبوعہ لندن ۱۹۴۶ء)

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی
صدر شعبہ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

بنو ہاشم اور بنو امیہ کی ''رقابت'' کا تاریخی پس منظر

تاریخ اسلام میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کی خاندانی رقابت اور چشمک پر بسا اوقات ضرورت سے زیادہ زور دیا جاتا ہے، اس مسئلے پر ہمارے مشرقی مصنفین خاص طور سے اردو کے سیرت نگار اور مورخین سب سے زیادہ جوش وخروش کا مظاہرہ کرتے ہیں، (۱) مشہور عام اور مقبول ترین خیال یہ ہے کہ اسلام کے ظہور کے بعد رسول کریم ﷺ کی مخالفت اور عداوت میں اموی خاندان کے افراد سب سے پیش پیش تھے، (۲) اس عداوت کے اسباب عموما اسلام سے پہلے کے جاہلی عرب کی قبائلی تنظیم میں تلاش کئے جاتے ہیں اور ثابت یہ کیا جاتا ہے کہ یہ عداوت دونوں خاندانوں کی قدیم دشمنی کا تاریخی نتیجہ تھے جو ان کے مورث اعلی یعنی ہاشم اور امیہ کے دور سے چلی آرہی تھی (۳) اس میں شک نہیں کہ ہمارے بعض قدیم مورخین ہاشم اور امیہ کے خاندان کے درمیان دو موقعوں پر منافرت کا حوالہ دیتے ہیں، (۴) لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ شخصی منافرت خاندانی رقابت اور قومی چشمک میں تبدیل ہوگئی تھی اور اس کے اثرات اتنے دیرپا تھے کہ نسل در نسل منتقل ہوتے رہے؟ اور کیا بنو ہاشم اور بنو امیہ زمانہ قبل اسلام میں ایسے دشمن تھے جیسا کہ ثابت کیا جاتا ہے؟ ان تمام سوالات کے جواب کے لئے ہم کو قبیلہ قریش جس کے یہ دونوں خاندان رکن تھے کی تاریخ کے اوراق الٹنے ہوں گے۔

ابن اسحاق (۵) اور ابن سعد (۶) کی روایت کے مطابق قریش کا لقب خاندان ہاشم اور خاندان امیہ کے جد امجد قصی بن کلاب کو ملا تھا، (۷) جو مورخین کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پچیسویں پشت میں اور فہر بن مالک کی چھٹی نسل میں تھے (۸) قصی نے قریش کے مختلف خاندانوں کو جو اس وقت تک نبو نضر (۹) یا بنو فہر کہا جاتا تھا متحد کیا اور مکہ کی سیادت قبیلہ خزاعہ سے منافرت کے ذریعہ حاصل کی تھی (۱۰) تاہم یہ بات ذہن نشیں رکھنے کی ہے کہ قصی بن کلاب کو اپنی تمام جاہ وحشمت کے باوجود مکہ کی مکمل سرداری حاصل نہ تھی اور نہ ہی ان سے قبل قبیلہ خزاعہ کو تمام اختیارات حاصل تھے، دراصل مکہ کی سیاست اشرافیہ (Oligarchy) کے اصول پر قائم تھی جس

میں شہر کے تمام سر برآوردہ خاندانوں کو نمائندگی حاصل تھی مختلف روایات کی تحقیق و تنقیح سے معلوم ہوتا ہے کہ حجابہ (تولیت کعبہ)، سقایہ (حجاج کے لئے پانی کی فراہمی)، رفادہ (حجاج کے لئے کھانے کا انتظام)، قیادہ (فوجی کمان) اور لواء (جنگ میں قومی پرچم اٹھانے کا اعزاز) قصی کو خزاعہ سے حاصل ہوا تھا (۱۱) قصی نے دار الندوۃ (۱۲) کی بنیاد ڈال کر اس کی تولیت بھی اپنے پاس رکھی تھی جس سے ان کے وقار میں اضافہ ہوا تھا، ان اختیارات وعہدوں کے علاوہ بعض اہم عہدے بونضر کے دوسرے خاندانوں میں نسل در نسل چلے آرہے تھے چنانچہ سفارت ومنافرت کے عہدے قصی کے دادا مرہ بن کعب کے بھائی عدی بن کعب کے خاندان میں منتقل ہوتے رہے، جبکہ دیت ومغارم بنوتیم کے پاس، قبہ (سوار فوج کی سالاری اور خیمہ وخرگاہ کا انتظام) بنومخزوم کے پاس، ازلام وایسار (خانہ کعبہ میں فال کے امور کا عہدہ) بنوجمح کے خاندان میں، مشورہ (قریش کے مجلس شوری کی سالاری) بنواسعد کے افراد میں اور اموال (کعبہ کی آمدنی کی دیکھ بھال اور خزانہ کا اہتمام بنوسہم کے ہاتھ میں ایک نسل سے دوسری نسل کو وراثت میں ملتے رہے (۱۳) عہدوں اور مناصب کی اس تصریح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکہ کی سیاست میں قصی بن کلاب ہی سب کچھ نہیں تھے اور مورخین کے اس بیان کے باوجود کہ وہ اپنی قوم کے بادشاہ کے مانند تھے دوسرے خاندانوں کی ملکی سیاست میں شراکت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، تاہم یہ بات تسلیم ہے کہ قصی اپنی شخصیت اور کارنامو ں کے سبب مکہ کے قبائلی شیوخ میں سب سے زیادہ ممتاز شیخ تھے۔

عام مورخین کی مشہور ترین روایت کے مطابق قصی بن کلاب نے اپنی موت کے وقت اپنے تمام مناصب اپنے بڑے بیٹے عبد الدار کے حوالے کر دیئے تھے (۱۴)۔ مگر ابن سعد کی ایک اور روایت کے مطابق عبد مناف اپنے باپ قصی کے جانشین بنے تھے، (۱۵) بہر کیف اس مشہور روایت کے مطابق عبد مناف کے بیٹے ہاشم نے اپنے تین اور بھائیوں عبد شمس، عبد مطلب اور نوفل کی متحدہ کوششوں سے بنوعبد الدار سے ان کے عہدوں کو چھین لینے کا فیصلہ کیا جس کے نتیجے میں قریش تین گروہوں میں بٹ گیا، (۱۶) آخر کار اس امر پر صلح ہوگئی کہ خاندان عبد مناف کو سقایہ اور رفادہ دے دیئے جائیں اور بقیہ عہدے یعنی حجابہ، لواء اور دار الندوۃ بدستور خاندان عبد الدار میں رہیں (۱۷) یہاں اس امر کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان پانچ عہدوں کے سوا بقیہ سات یا آٹھ مناصب قریش کے دوسرے خاندان کے پاس حسب دستور سابق موجود رہے، گویا کہ بنوعبد الدار کے خلاف ہاشم اور انکے بھائیوں کا متحدہ محاذ مکہ کی سیادت کا مکمل حصول نہیں تھا بلکہ اس میں صرف اپنے حصہ کو پالینے کی حقیقت پنہاں تھی، مگر یہ مشہور عام روایت ازرقی کی روایت سے جو نسبتا غیر معروف ہے قطعی مختلف ہے، اخبار مکہ کے بیان کے مطابق قصی بن کلاب نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ مناصب اپنے دو بیٹوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کر دیئے تھے، چنانچہ بڑے بیٹے عبد الدار کو حجابہ، لواء اور دار الندوۃ ملے تھے جبکہ عبد مناف کے حصہ میں سقایہ، رفادہ اور قیادہ آئے تھے، (۱۸) عبد مناف نے اپنی موت کی گھڑی میں قبائلی تنظیم کے مطابق سقایہ اور رفادہ ہاشم اور قیادہ کا اہم

منصب عبد شمس کو عطا کر دیا تھا، (۱۹) جو ظاہر ہے کہ ایک منطقی تقسیم معلوم ہوتی ہے، ازرقی کے اس بیان کے مطابق ہاشم کے لئے بنو عبد الدار سے مناصب کے لئے الجھنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اس لئے وہ ہاشم اور عبد الدار کے خاندان کے درمیان ہونے والے مبینہ اختلاف کا سرے سے ذکر ہی نہیں کرتے، ازرقی کی روایت قرین قیاس زیادہ منطقی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسلام سے قبل کے جاہلی نظام میں جبکہ مرکزیت کا کوئی تصور نہیں تھا یہی مناسب حکمت عملی ہو سکتی تھی مزید یہ کہ عام مورخین کے یہاں اس مسئلہ پر کافی اختلاف، الجھن اور تضاد نظر آتا ہے، جس سے مغربی مصنفین کے اس شبہ کو حقیقت کا روپ ملتا ہے کہ عباسی عہد کے مورخین نے اپنے جد امجد کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کے لئے (۲۰) دوسرے قریشی خاندانوں کو عموماً اور خاندان امیہ کو خصوصاً گرا دینے کی کوشش کی ہے، چنانچہ ہاشم اور امیہ کے درمیان پہلے منافرہ اور پھر ایک نسل بعد ان دونوں خاندانوں میں حرب بن امیہ اور عبد المطلب بن ہاشم کے درمیان دوسرے منافرہ کا ذکر اسی کوشش کی غیر تاریخی یا کم از کم غیر منطقی دلیل ہے، اگر مختلف روایات کا معروضی اور تنقیدی جائزہ لیا جائے تو بلا کسی شک وشبہ کے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ہاشم کو ملکی سیاست یا بین الاقوامی تجارت میں وہ مقام دراصل حاصل نہ تھا جو ہماری متداول کتب سیرت وتاریخ ثابت کرنا چاہتی ہیں، (۲۱) چنانچہ تمام روایات کے متفقہ بیانات کے مطابق ہاشم کو مکہ کی اشرفی میں صرف دو منصب حاصل تھے، جب کہ دوسرے قریشی خاندانوں کے پاس کم وبیش آٹھ عہدے تھے، اگر چہ ان میں سے امیہ کو صرف ایک عہدہ حاصل تھا لیکن اگر اسے عربوں کی جنگوں بھری تاریخ کے پس منظر دیکھا جائے تو سیاسی لحاظ سے قیادہ اہم ترین عہدہ تھا جہاں تک ہاشم کی مقامی اور بین الاقوامی تجارت میں حیثیت کا تعلق ہے وہ منفرد نہیں تھی کیونکہ ان کے تین بھائیوں عبد شمس، مطلب اور نوفل نے مساوی مقام پیدا کیا تھا (۲۲)، اور ایک روایت کے مطابق عبد شمس بین الاقوامی تجارت میں زیادہ اہم حیثیت کے مالک تھے،، (۲۳)۔

ہمارے مورخین نے ہاشم کو اس لئے نمایاں مقام عطا کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ حجاج کو پانی پلاتے اور کھانا کھلاتے تھے اور اس سلسلہ میں وہ یہ تاثر دیتے ہیں کہ ہاشم بہت فیاض اور سخی تھے اور وہ مہمانان خدا کی خاطر مدارات پر اپنی دولت صرف کرتے تھے، (۲۴) حالانکہ انہیں مورخین کے بیانات سے واضح ہوتا ہے وہ قریشی خاندانوں سے سقایہ اور رفادہ کے لئے ایک محصول وصول کرتے تھے جو فی خاندان ''سو مثقال ہرقلی'' ہوتا تھا، (۲۵) اس سے ہاشم کو تنظیم واہتمام کا اعزاز ضرور ملتا ہے مگر سخاوت وفیاضی کا وہ فخر حاصل نہیں ہوتا جو ہمارے مورخین ثابت کرتے ہیں (۲۶) عرب کے دوسرے خاندان سخاوت وفیاضی میں اور اپنا مال خرچ کرنے میں کسی دوسرے سے پیچھے نہیں تھے، (۲۷) چنانچہ اس تنقیح سے ہاشم اور امیہ کے درمیان مبینہ منافرہ کی روایت تاریخی بنیادوں اور تنقیدی معیار پر پوری نہیں اترتی، اور عہد عباسی کے اس پروپیگنڈے کا حصہ معلوم ہوتی ہے جو اس زمانہ میں بنو امیہ کو مطعون کرنے کے لئے بڑے زور وشور سے بعض اطراف سے چلایا جا رہا تھا، یہی حال کم وبیش عبد المطلب بن ہاشم اور

حرب بن امیہ کے درمیان ہونے والے مبینہ منافرہ کا ہے، یہ وجہ ہے کہ ایک خاص طبقہ فکر کے مورخین کے سوا اور مصنفین و محققین نے ان دونوں منافرتوں کا ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ پھر اگر ان دونوں خاندانوں کے درمیان دو موقعوں پر ہونے والے منافرہ کو تاریخی اور حقیقی تسلیم کر لیا جائے تو انہیں مورخین کی دوسری روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ منافرہ عرب سماج میں اکثر و بیشتر پیش آنے والا واقعہ تھا اور صرف خاندان ہاشم اور خاندان امیہ کے درمیان ہی محدود نہیں تھا (۲۸) ابن سعد کی روایت کے مطابق عبد المطلب بن ہاشم اور طائف کے ثقفی سردار جندب بن حارث کے درمیان منافرہ ہوا تھا جس میں فیصلہ عبد المطلب کے حق میں ہوا تھا (۲۹)، اسی طرح طبری کی ایک روایت میں عبد المطلب بن ہاشم نے ایک کنویں کی ملکیت کے نزاع پر اپنے چچا نوفل بن عبد مناف سے منافرہ کرنا چاہا تھا مگر قریشیوں نے چچا اور بھتیجے کے درمیان منافرے کرنے کے تنازعے میں پڑنے سے انکار کر دیا تھا، (۳۰) حیرت ہے کہ قریشیوں نے چچا بھتیجوں کے درمیاں اس منافرہ سے پہلے اور بعد دو منافرہ ہونے دیے تھے، بہر کیف عبد المطلب نے اپنے چچا نوفل کے خلاف اپنے ننھیالی رشتہ دار یعنی مدینہ کے نجاریوں سے فوجی مدد مانگی تھی، نوفل نے فوجی دباؤ کے تحت کنواں تو واپس کر دیا مگر بنو ہاشم کی بجائے بنو عبد شمس سے معاہدہ حلف استوار کر لیا (۳۱) اسی طرح ازرقی نے بنو عدی ور شمس کے درمیان ایک منافرہ کا ذکر کیا ہے (۳۲)۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عرب سماج میں منافرہ کے کثرت وقوع کے باوجود کیا منافرہ سے دو متعلقہ شخصوں اور فردوں کے درمیان پیدا ہونے والی رنجش خاندانی رقابت اور چشمک میں تبدیل ہو جاتی تھی؟ اور کیا ایک منافرت کے اثرات اتنے گہرے اور درد میں ہوتے تھے کہ نسل در نسل عداوت اور دشمنی جاری و ساری رہے؟ ہاشمی اور اموی خاندانوں کے درمیان منافرہ پر مبالغہ آمیز زور دینے والے مورخین اور مصنفین اس کا اثبات میں جواب دیتے ہیں (۳۳)، لیکن حقایق اس کی نفی کرتے ہیں، مثال کے طور پر ہاشم اور امیہ کے درمیان پہلے منافرہ کے بعد تلخی پیدا ہوئی جس کے نتیجہ میں ایک روایت کے مطابق امیہ کو دس سال جلا وطنی کی زندگی گزارنی پڑی اور بھاری جرمانہ دینا پڑا (۳۴) اگر مورخین کے بیان کے مطابق دونوں خاندانوں میں عداوت کا یہ پہلا زہرناک بیج تھا جس نے دونوں کو ایک دوسرے کا ہمیشہ کے لئے دشمن بنا دیا تھا تو یہ لازمی نتیجہ ہونا چاہئے تھا کہ بعد میں ان دونوں کے درمیان اخوت، رشتہ داری، اور دوستی کے روابط نظر نہ آنے چاہئیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ ہاشم کے بیٹے عبد المطلب اور امیہ کے بیٹے حرب ایک دوسرے کے ندیم تھے، (۳۵) منطقی نتیجہ کے لحاظ سے ان دونوں کو ایک دوسرے کا ندیم (ہم مجلس) نہیں ہونا چاہئے تھا۔ جیسا کہ عبد المطلب اور حرب کے درمیان منافرہ کے بعد ہوا، لیکن یہ رنجش محض وقتی اور نا پائیدار تھی کیونکہ عبد المطلب نے اسکے بعد اپنی چھ بیٹیوں میں سے دو بیٹیوں صفیہ اور ام حکیم کی شادی بالترتیب حرب کے ایک بیٹے اور اموی خاندان کے ایک کریز سے کی تھی، تیسری بیٹی امیمہ بنوامیہ کے حلیف جحش سے منسوب تھیں (۳۶)، اسی طرح عبد المطلب نے اپنے ایک بیٹے ابولہب کی شادی ام جمیل سے کی تھی جو حرب کی بیٹی اور ابو

سفیان کی بہن تھی، (۳۷) اگر دونوں سینہ منافرتوں کی رنجش اتنی ہی شدید ہوتی جیسی کہ بتائی جاتی ہے تو دونوں خاندان کے درمیان ازدواجی تعلقات استواری ناممکن ہوتی۔

اس کے علاوہ عبدالمطلب اور ثقفی سردار کے درمیان منافرہ کے باوجود دونوں قبائل میں تجارتی تعلقات برابر قائم رہے اور عبدالمطلب اور ان کے بعد عباس بن عبدالمطلب اہل طائف کو برابر سود پر ادھار دیتے رہے (۳۸) جہاں تک عبدالمطلب اور نوفل بن عبد مناف کے درمیان تنازعہ اور اس کے نتیجہ میں رنجش کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں طبری کی ایک روایت نوفل کو بری قرار دیتے ہوئے عبدالمطلب کے بارے میں کہتی ہے کہ انہوں نے نوفل کے خلاف قبیلہ خزاعہ سے حلف کا معاہدہ کیا تھا، (۳۹)۔

بہر کیف اس تمام تصریح سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اول تو منافرہ عرب سماج کے مختلف خاندانوں اور مختلف افراد کے درمیان ہوتا ہی رہتا تھا، اس میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کی تخصیص تاریخی دیانت کے خلاف ہے، دوسرے منافرہ کا اثر وقتی ہوتا تھا جو انفرادی تعلقات کو عارضی طور پر ضرور متاثر تھا مگر زندگی بھر کا روگ نہیں بنتا تھا، سوم یہ کہ منافرہ کی رنجش قومی عداوت اور خاندانی رقابت میں کبھی نہیں تبدیل ہوئی، اور چہارم یہ کہ عرب میں قومی دشمنی عموماً قبائلی بنیادوں پر چلتی تھی، اور پنجم یہ کہ یہ قبائلی اتحاد و حلف کے معاہدے بھی ضرورت اور وقت کے ساتھ بدلتے رہتے تھے جیسا کہ ہم بنی عبد مناف اور بنی عبدالدار کے درمیان مخالفت کے زمانہ میں دیکھ چکے ہیں اسی طرح بعثت نبوی کے زمانے میں ہم کو بین القبائلی رشتوں میں مسلسل تبدیلی نظر آئے گی (۴۰)۔

ہاشمی اور اموی خانوادوں کی سینہ رقابت کے سلسلہ میں مکی سیاست میں ان دونوں کی حیثیت کا جائزہ ہاشم، اور امیہ کے زمانے تک لیا جا چکا ہے حیرت کی بات ہے کہ ہمارے بعض فاضل مورخین نے ہاشم کے مقابلہ میں امیہ کو صفر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اور یہی کوشش انہوں نے عبدالمطلب کے مقابلہ میں امیہ کے جانشیں حرب کے لئے روا رکھی ہے، جب کہ حقائق اس کے برعکس نہیں ہیں تو اس کے خلاف ضرور ہیں اس کے لئے مکی اشرافیہ میں دونوں خاندانوں کے مقام کا جائزہ لینا ناگریز ہے، تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق ہاشم کی اچانک موت کی بنا پر خاندان ہاشمی کے ہاتھ سے سقایہ اور رفادہ مطلب کے خاندان میں عارضی طور پر منتقل ہو گیا (۴۱) کیونکہ مشہور روایت کے مطابق ہاشم لاولد فوت ہو گئے تھے، بہر کیف بعد میں عبدالمطلب اپنے چچا کے ساتھ اپنی ننھیال سے مکہ آئے اور بلوغ پر اپنے باپ کے جانشین بنے۔ (۴۲) واضح رہے کہ عبدالمطلب کے پاس صرف دو عہدے سقایہ اور رفادہ تھے جبکہ قیادہ بنو امیہ کے شیخ حرب بن امیہ کے پاس تھا اور بقیہ سات مناصب دوسرے قریشی سرداروں کے ہاتھ میں تھے (۴۳)

عبدالمطلب کی ۵۷۸ء میں وفات کے بعد ہاشمی خانوادہ کی سیادت قبائلی انداز پر تقسیم ہوئی اور زبیر بن عبدالمطلب (فرزند اکبر) جنگ فجار ۵۹۱ء میں آل ہاشم کے علمبردار کی حیثیت سے نظر آتے ہیں (۴۴) جب کہ

ازرقی کے بیان کے مطابق رفادہ ابوطالب کو اور سقایہ عباس بن عبدالمطلب کو ملا تھا (۴۵) اگرچہ ابن اسحاق کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں (اور غالباً اس سے پہلے بھی) رفادہ کا عہدہ باری باری سے مکہ کے نو[9] خاندانوں میں گردش کرتا رہتا تھا (۴۶)، یہ روایت زیادہ قرین قیاس بھی معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ حاجیوں کی ایک بڑی تعداد کی خبر گیری اور کھانے کا مستقل انتظام ایک چھوٹے سے خاندان کے لئے کافی وقت طلب اور مشکل امر تھا۔ بہرکیف معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ہاشمی خانوادہ کی ساکھ کافی کم ہوگئی تھی، ابن سعد حرب کے زمانے میں جن آٹھ رؤسائے قریش کا ذکر کرتے ہیں ان میں تین اموی، ایک جمحی، ایک تیمی، ایک مخزومی ایک سہمی اور ایک عبدری تھے، ہاشمی خانوادہ میں سے کسی کا ذکر نہیں ہے (۴۷)۔ اس کے علاوہ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ''حرب بن امیہ'' قریش اور کنانہ کے سردار تھے، (۴۸)۔ حرب بن امیہ کی موت کے بعد قیادہ کا منصب ان کے بیٹے ابوسفیان بن حرب کو ملا (۴۹)۔ اس وقت سے لیکر فتح مکہ ۸ھ ۶۳۰ء تک ابوسفیان کی غیر حاضری میں قریشی افواج کی کمان ابوجہل مخزومی کے ہاتھ میں ہوتی تھی، یہاں اس امر کی طرف اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان بن حرب نے اسلام اور رسول اکرم ﷺ کے خلاف قریشی افواج کی قیادت ''اسلام دشمنی'' یا مخالفت رسول کی ذاتی بنیادوں پر نہیں کی تھی، بلکہ قریش کی اور اہل مکہ کی فوجوں کے مقررہ قبائلی قائدے کے طور پر کی تھی۔

جس میں ان کی اسلام دشمنی اور عداوت رسول کو اتنا ہی دخل تھا جتنا قریش کے تمام کفار بشمول ابولہب بن عبد المطلب ہاشمی اور عباس بن عبدالمطلب ہاشمی کو تھا۔ (مختلف روایات کی بنیاد پر حضرت عباس کا ذکر محل نظر ہے۔ یحیٰ)

بہرکیف بعثت نبوی کے زمانے میں مکہ میں قریشی اشرافیہ کی جو تنظیم تھی العقد الفرید اور ازرقی کے متفقہ بیان کی صورت میں حسب ذیل تھی۔

۱	حجابہ، لواء	عثمان بن طلحہ	بنوعبدالدار
۲	رفادہ	حرث بن عامر	بنونوفل
۳	سقایہ	عباس بن عبدالمطلب	بنوہاشم
۴	مشورہ	یزید بن ربیعۃ الاسود	بنواسد
۵	دیت ومغارم	ابوبکر بن ابی قحافۃ	بنوتیم
۶	قیادہ	ابوسفیان بن حرب	بنوامیہ
۷	قبہ	ولید بن مغیرہ	بنومخزوم
۸	سفارہ ومنافرہ	عمر بن خطاب	بنوعدی
۹	ازلام وایسار	صفوان بن امیہ	بنوجمح
۱۰	اموال	حرث بن قیس	بنوسہم (۵۰)

جیسے کہ اوپر حوالہ گزر چکا ہے کہ یہ مناصب اور عہدے ان خاندانوں میں نسل در نسل منتقل ہوتے رہے اور اس کی تصریح صاف الفاظوں میں العقد الفرید کے ایک روایت سے ہوتی ہے (۵۱)، جدید مورخین خصوصاً مغربی محققین کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ قریش کے مختلف سرداروں کی اشرافیہ شہری حکومت کا کاروبار چلاتی تھی (۵۲)۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قریش کے تمام اہم خاندان ایک دوسرے کے ہم پلہ تھے البتہ بعض ادوار بعض عظیم شخصیات کی بدولت ان خاندانوں کے وقار اور ساکھ میں اتار چڑھاؤ آتا ہی رہتا تھا۔ عرب کے قبائلی نظام میں کسی خاندان کی اجارہ داری ممکن ہی نہیں تھی کیونکہ کوئی ایک خاندان دوسرے کی برتری تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا مکہ کے قریشیوں کی چشمک برادرانہ زیادہ تھی معاندانہ کم، جبکہ عام خیال یہ ہوگیا ہے کہ قریش کے مختلف خاندان ایک دوسرے کو زک دینے پر تلے رہتے تھے، نہ ہی ان کی مسابقت کی کشمکش قبائلی دشمنی پر مبنی تھی جیسا کہ عرب کے متعدد قبائل کے درمیان دستور تھا۔

بہر کیف ہاشمی اور اموی خاندانوں کے درمیان رقابت کے سلسلہ میں یہ نکتہ اہم ہے کہ یہ دونوں ''عم زاد خاندان'' ایک ہی سلسلہ کی دو کڑیاں تھے اور دشمنی اور عداوت کے جذبات کبھی کارفرما نہیں رہے، اس نظریہ کی تصدیق دونوں خاندانوں کے درمیان کاروباری اور تجارتی تعلقات اور ازدواجی رشتوں سے ہوتی ہے، ذکر گزر چکا ہے کہ عبدالمطلبؓ نے اپنی دو بیٹیوں اور ایک بیٹے کی شادی بنی امیہ میں کی تھی، خود نبی اکرم ﷺ نے بعثت سے قبل اور (ہجرت کے بعد) خاندان امیہ سے ازدواجی رشتے قائم کیے تھے، آنجناب کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب کا نکاح اموی خانوادہ کے ایک ممتاز فرد ابوالعاص بن ربیع بن عبد شمس سے (۵۳) اور دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ کا نکاح ایک اور اموی اہم فرد حضرت عثمان بن عفان سے مکہ میں قبل از بعثت ہو چکا تھا (۵۴) اگر اموی اور ہاشمی خاندانوں میں ویسی ہی عداوت ہوتی جیسی کہ ہمارے بعض طبقے بتاتے ہیں تو کم از کم بعثت نبوی سے پہلے کے زمانہ میں ان دونوں خاندانوں میں ازدواجی تعلقات کا قیام ممکن نہ ہوتا۔

گزشتہ صفحات میں متعدد روایات اور واقعات کی تنقیح وتنقید سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ خاندان بنی ہاشم اور خاندان بنی امیہ کے درمیان برادرانہ چشمک رہی ہو تو رہی ہو مگر قومی اور خاندانی عداوت کبھی نہیں رہی، پھر آخر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مفروضی رقابت کی شہرت کب اور کیوں کر ہوئی؟ اوپر حوالہ گزر چکا ہے کہ دونوں خاندانوں میں رقابت ثابت کردینے کا کام عباسی خلافت کے دعویداروں کا ہے وہ اس کے بغیر بنی امیہ کی حکومت کو غاصب اور دشمن اسلام نہیں ثابت کر سکتے تھے، چنانچہ ان ''اموی دشمن'' طبقات نے اپنے سیاسی مقاصد واغراض کے تحت بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان تاریخی عداوت کے واقعات گھڑے اور ان کو اتنی شہرت دی کہ وہ عہد عباسی میں لکھی جانے والی کتب تاریخ میں جگہ پا گئے، یہ بڑی عجیب بات ہے کہ سیرت نبوی کی موجودہ اولین کتاب یعنی

ابن اسحاق کی سیرت رسول اللہ میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان منافرہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے، جب کہ دوسری متداول کتب میں اس کے جابجا حوالے ملتے ہیں غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن اسحاق عہد عباسی کے آغاز ہی میں اپنی کتاب مکمل کر چکے تھے جب عوامی پروپیگنڈے نے علمی دنیا میں راہ نہ پائی تھی، بہر کیف بعثت نبوی سے قبل مکہ کی سیاسی زندگی میں بنو امیہ اور بنو ہاشم کو منجملہ دوسرے قریشی خاندانوں کے کم وبیش مساوی درجہ حاصل تھا اور کسی کو کسی پر فضیلت و برتری مستقل طور پر نہیں حاصل تھی، حیرت ہے کہ بنو ہاشم کی افضلیت وتفوق کے دعویداروں کے لئے یہ شرف کافی نہیں ہوسکا کہ بنو ہاشم میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے جنم لیا تھا، یہ وہ شرف ہے جو خاندان ہاشم کو نہ صرف بنی امیہ، بلکہ تمام اقوام عالم پر برتری عطا کرتا ہے۔

حواشی

(۱) شبلی نعمانی، سیرت النبی، دارالمصنفین اعظم گڑھ، طبع سوم ۱۳۳۲ھ، جلد اول ص ۱۹۸، ''خاندان ہاشم اور بنو امیہ برابر کے حریف تھے اور دونوں میں مدت سے رشک و رقابت چلی آرہی تھی''۔ قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، لاہور ۱۹۲۱ء، جلد دوم ص ۷۲-۱۷۱ نیز ملاحظہ ہو نکولسن (A Literary History Of The Arabs) لندن ۱۹۲۳ء، ص ۶۵ لیکن بعض مغربی مورخین اور مستشرقین نے اس روایتی رقابت پر اپنے شکوک کا اظہار کیا ہے، ان میں سے رسول کریم ﷺ کے موجودہ دور کے اہم ترین سوانح نگار موٹگمری واٹ، کے خیالات ان کی کتاب (Muhammad at mecca) میں بہت اہم ہیں۔

(۲) شبلی نعمانی ص ۱۲۰، کے الفاظ ہیں'' آنحضرت ﷺ کی نبوت کو خاندان بنو امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت کی مخالفت کی''

(۳) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت ۱۹۶۰ء جلد اول ص ۷۶، ۱، ابن جریر طبری، تاریخ طبری دار المعارف، القاہرہ ۱۹۶۱ء جلد دوم ص ۲۵۶-۲۵۲، شبلی نعمانی، ص ۱۹۸، رحمۃ للعالمین ص ۷۲-۱۷۱۔

(۴) ابن سعد ص ۷۶ طبری ۵۴-۲۵۲۔

(۵) ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ، انگریزی ترجمہ بعنوان The Life of muhammad اے گلیوم آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن ۱۹۵۵ء، ص ۵۲، ۹-۴۸۔

(۶) ابن سعد، ص ۶۹، ۶۸، شبلی ص ۱۵۴، حاشیہ ۱

(۷) ازرقی، کتاب اخبار مکہ، مرتبہ فرڈی ننڈ وُسٹفلڈ (Ferdinand wutsefeld) بیروت ۱۹۶۴ء، ص ۶۶-۶۴، طبری اردو ترجمہ محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۷ء، ص ۴۸، ۴۷۔

(۸) بخاری، الصحیح، باب مبعث النبی، ابن اسحاق، ص ۴۹، ابن سعد، ص ۶۶، ۶-۵۵، طبری ص ۴۶-۴۱،

(۹) ابن سعد، ص ۷۱۔

(۱۰)ابن اسحاق، صفحہ ۵۲، ۱۴۹-۱۴۸ ابن سعد ص ۴۹-۴۸۔ ازرقی ص ۶۲۳ طبری ص ۴۳ شبلی نے ابن اسحاق اور ابن سعد کی اس روایت کو قبول کیا ہے جس کے مطابق قصی کو مکہ کی سرداری خزاعی سردار جلیل بن حبشہ کی بیٹی حبی سے شادی کرنے کی بنا پر حاصل ہوئی تھی مگر دونوں قدیم مورخین کی ایک روایت پہلی روایت کی نفی کرتی ہے۔

(۱۱)ابن اسحاق، ص ۵۳، ۵۲، ابن سعد ص ۷۰، ازرقی ص ۶۴، طبری ص ۴۳، شبلی ص ۱۵۳، صرف ازرقی نے قیادہ کا ذکر کیا ہے، باقی عام مورخین اس عہدہ کا عام طور سے ذکر نہیں کرتے ہیں کہ، سیاست میں قیادہ کا عہدہ بہت اہم ہوتا تھا اور عملی طور پر اس پر فائز شخص قریش کا سردار سمجھا جاتا تھا، حیرت ہے کہ مورخین اتنے اہم عہدے کا ذکر کیوں نظر انداز کر جاتے ہیں؟، مورخین کی اس روش سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کہیں اس عہدہ کو نظر انداز کرنے کا سبب یہ تو نہیں تھا کہ قصی کی تیسری پیڑھی میں یہ عہدہ عبد شمس کو ملا تھا اور پھر انہیں کے خاندان میں بعثت نبوی کے عہد تک قائم رہا۔

(۱۲)ابن سعد، ص ۷۰ نیز ابن اسحاق، ص ۵۳، ۵۲ طبری ص ۴۴، شبلی ص ۱۵۳ یہاں شبلی کے اس خیال کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قصی نے سقایہ اور رفادہ کے عہدے قائم کئے تھے شبلی کا یہ خیال تاریخی حقیقت کے خلاف ہے، اس طرح سقایہ کے عہدے کے سلسلہ میں زمزم کا ذکر بھی تاریخی حقیقت کے منافی ہے کیوں کہ زمزم مدتوں سے گم تھا اور اس کو قصی کے پوتے عبدالمطلب بن ہاشم نے بازیافت کیا تھا ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص ۶۱-۵۸، ابن سعد ۸۱، شبلی ص ۱۵۶۔

(۱۳)ابن عبد ربہ، العقد الفرید، قاہرہ ایڈیشن، جلد سوم ص ۳۱۵۔

(۱۴)ابن اسحاق ص ۱۵۶ ابن سعد ص ۷۳ طبری ص ۲۵۔

(۱۵) ابن سعد، ص ۷۴، نیز طبری ص ۴۴، حیرت ہے کہ شبلی ص ۱۵۴ نے دونوں روایتیں قبول کر لی ہیں دوسرے یہ کہ انہوں نے عبدالدار کو سب بھائیوں میں "نا قابل" بتایا ہے جو قدیم مورخین کے بیانات کی صریح نفی کرتا ہے۔

(۱۶)ابن سعد، ص ۷۷ کے مطابق مختلف خاندانہائے قریش کی گروہ بندی حسب ذیل ہیں۔

گروہ الف/المطیبون	گروہ ب/الاحلاف	گروہ ج/
[خاندان عبد مناف کے حامی]	[خاندان عبدالدار کا حامی]	[غیر جانبدار]
۱۔بنو اسد	۱۔بنو مخزوم	۱۔بنو عامر بن لوی
۲۔بنو زہرہ	۲۔بنو سہم	۲۔بنو محارب بن فہر
۳۔بنو تیم	۳۔بنو جمح	
۴۔بنو حارث بن فہر	۴۔بنو عدی	

مصعب زبیری، کتاب نسب قریش ص ۳۸۳ میں اول الذکر دو گروہوں کا ذکر کرتے ہیں، تیسرے کا نہیں۔

(۱۷)ابن اسحاق، ص ۵۷، ۵۶، ابن سعد ص ۷۷، واٹ ص ۵، شبلی ص ۱۵۵-۱۵۴، ان تمام مورخین میں صرف طبری واحد مورخ ہیں جو اس تصادم کا ذکر نہیں کرتے ہیں، گویا کہ وہ ازرقی کی تائید کرتے ہیں، ملاحظہ ہو اگلا حاشیہ۔ طبری، نیز منٹگمری واٹ ص ۵ کا یہ خیال صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ اس صلح کے بعد عبدالدار کی حیثیت برائے نام رہ گئی تھی اور عبد مناف مکہ کے مالک بن گئے تھے، عبدالدار کے پاس اب بھی تین اہم عہدے تھے جس سے ان کے مقام کا درجہ ظاہر ہے۔

(۱۸) ازرقی، ص ٦٦۔

(۱۹) ایضاً ص ٦٦ طبری ص ۳۷ کا یہ بیان کہ "ہاشم اپنے باپ عبد مناف کے بعد سقایہ اور رفادہ کے مالک بنے" بہت اہم ہے اگر چہ وہ عبد شمس کو قیادہ کا منصب ملنے کے ذکر کو نظر انداز کرتے ہیں، تاہم ان کی روایت بنو عبد مناف اور بنو عبد الدار کے درمیان مبینہ تصادم کی روایت کی نفی کرتی ہے۔

(۲۰) مورخین کے تضاد کو ظاہر کرنے کے لئے صرف ایک نکتہ کا ذکر کافی ہے، مشہور روایت کے مطابق ہاشم نے بنو سے لڑکر سقایہ اور رفادہ کے مناصب حاصل کئے تھے مگر دوسری روایت کے مطابق ان کو یہ عہدے باپ سے وراثت میں ملے تھے تعجب ہے کہ واٹ ص ۵ نے بھی اس تصادم کی روایت کو قبول کرلیا ہے،

(۲۱) طبری ۳۱۔

(۲۲) ابن سعد ص ۹۔۷۸، ۷۵، طبری ص ۳۷، شبلی ص ۱۵۵

(۲۳) طبری، ص ۳۷ کا یہ بیان بہت اہم ہے کہ "عبد مناف کے چاروں بیٹے اپنے باپ کے بعد قوم کے سردار ہوئے، ان کو مجبرون کہتے ہیں کیوں کہ ان کی وجہ سے اللہ نے قریش کی حالت درست کردی، انہوں نے ہی سب سے پہلے قریش کیلئے دوسرے ملکوں میں سکونت کے لئے اجازت نامے حاصل کئے، اس کی وجہ سے قریش دور دور تک پھیل گئے ہاشم نے شاہان روم اور غسانیوں سے، عبد شمس نے نجاشی حبشہ سے، نوفل نے کسریٰ ایران سے اور مطلب نے ملوک حمیر سے ان کے علاقوں میں آبادکاری اور تجارت کے پروانے حاصل کئے۔

(۲۴) ابن سعد، ص ۷۸، طبری ص ۳۸، ۳۷، شبلی ص ۱۵۵

(۲۵) ابن سعد، ص ۷۸

(۲٦) ابن اسحاق، ص ۵۸ ہاشم کی تقریر کا ایک ٹکڑا نقل کرتے ہیں" کہ اگر میرے ذرائع کافی ہوتے تو میں تم پر یہ بوجھ نہ ڈالتا" ظاہر ہے کہ ہاشم سقایہ اور رفادہ کے اخراجات پر صرف اپنی دولت نہیں صرف کرتے تھے اور نہ ہی یہ ایک شخص یا ایک خاندان کے بس کی بات تھی جیسا کہ ابن اسحاق ص ۲۱۔ ۳۲۰، کے ایک اور حوالہ سے ظاہر ہوتا ہے اور جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

(۲۷) ابن اسحاق، ص ۲۱۔ ۳۲۰، ازرقی ص ۱۷۵، کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ولید بن مغیرہ تنہا ایک سال غلاف کعبہ کے اخراجات اٹھاتے تھے جب کہ دوسرے سال قریش کے دوسرے تمام خاندان چندہ کرکے غلاف کعبہ منگواتے تھے اسی لئے ان کو العدل کا خطاب ملا تھا۔

(۲۸) ازرقی، ص ۲۷۴ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد ص ۸۸، ۱۸۷ اور حوالہ جات آئندہ،

(۲۹) ابن سعد ص ۴۸۸۔

(۳۰) طبری ص ۳۵، ۳۴

(۳۱) ایضاً لیکن طبری ص ۳٦ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نوفل نے اس واقعہ کے بعد خود کچھ نہیں کیا تھا البتہ عبد المطلب نے خود خزاعہ سے حلف کا معاہدہ کرلیا تھا، زبیری ص ۱۹۷ کا بیان ہے کہ نوفل کے بیٹے عدی بن نوفل نے عبد المطلب

سے سقایہ عدی جو صفا اور مردہ کے درمیان واقع تھا کے سلسلہ میں نزاع کیا اور اپنے رشتہ داروں کی مدد سے حاصل کر لیا جیسا کہ روایت سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن زبیری، ص ۱۹۷ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نوفل کے بیٹے عدی نے عبدالمطلب سے نزاع کیا تھا اور بنی خویلد بن اسعد کی مدد سے کامیابی حاصل کی تھی۔

(۳۲) ازرقی ص ۴۷۲،

(۳۳) ابن سعد، ص ۷۸، ۷۶، طبری ص ۴۷۳۸۔

(۳۴) ابن سعد اور طبری کی روایت اس اعتبار سے بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ عبد شمس کے بعد امیہ قریش کے قائد ہونے کے سبب مکہ میں موجود رہے تھے۔

(۳۵) ابن سعد ص ۸۷

(۳۶) ابن سعد، طبقات کبریٰ، مرتبہ سخاؤ (Sachav) لندن ۱۹۰۵ء جلد ہشتم ص ۳۱۔۲۷۔ ابو عبداللہ مصعب الزبیری

کتاب نسب قریش مرتبہ لیفی بروفنسال، پیرس ۱۹۵۳ء، ص ۱۹، ۱۸۔

(۳۷) ازرقی ص ۲۲۳، ابن سعد، چہارم ص ۵۹، ام جمیل کے دو بیٹے عتبہ اور معتب بعد میں اسلام لائے۔

(۳۸) ابن سعد، مرتبہ سخاؤ، جلد ہشتم ص ۳۱، ۲۷، ازرقی ص ۷۱، ۷۰، طبری، تفسیر آیت ربا ازرقی ص ۷۰، فتوح البلدان مصر ۱۹۳۲ء، ص ۶۸،

(۳۹) طبری ص ۳۶،

(۴۰) واٹ: ص ۸۔۶ نے مآخذ کی بنیاد پر بعثت نبوی کے قریب زمانے میں حسب ذیل گروہ بندی بتائی ہے۔

گروہ الف ر	گروہ ب	گروہ ج
۱۔ بنو ہاشم	۱۔ بنو عبد شمس (امیہ)	۱۔ بنو مخزوم
۲۔ بنو المطلب	۲۔ بنو نوفل	۲۔ بنو سہم
۳۔ بنو زہرہ	۳۔ بنو اسد	۳۔ بنو جمح
۴۔ بنو تیم	۴۔ بنو عامر	۴۔ بنو عبدالدار
۵۔ بنو عدی		
۶۔ بنو الحارث بن فہرہ		

(۴۱) ابن اسحاق، ص ۵۹، ابن سعد، ص ۸۱؛ طبری، ص ۳۸، واٹ ص ۳۱،

(۴۲) ابن اسحاق، ص ۶۱۔۵۸؛ ابن سعد، ص ۸۳؛ شبلی، ص ۷-۱۵۶،

(۴۳) ازرقی ص ۷۱ کے مطابق ۵۷۲ء میں سیف ذی یزن والی یمن کو حبشہ پر فتح حاصل کرنے اور عرب قوم کی بے عزتی کا بدلہ لینے پر جو قریشی وفد مبارک باد دینے گیا تھا اس میں تین سردار قریش تھے عبدالمطلب، امیہ اور خویلد بن اسد، اسی زمانہ کے لگ بھگ قریش اور بنی بکر بن عبد مناۃ (کنانہ) میں جنگ ہوئی جس میں قیادہ کا عہدہ حرب بن امیہ کے پاس تھا جس طرح فجار کی جنگوں میں حرب نے قریشی افواج کی کمان کی تھی، ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ عبدالمطلب کو قریش کا رئیس اعظم ثابت کرنا نیک جذبہ تو ضرور ہے، مگر بے واقعہ اور تاریخی حقیقت کے خلاف، ملاحظہ ہو شبلی ص ۷۔۱۵۶ وغیرہ۔

(۴۴) ابن سعد، اول ص ۱۲۷

(۴۵) ازرقی ص ۷۰

(۴۶) ابن اسحاق، ص ۲۱، ۳۲۰ جنگ بدر کے اختتام پر حسب ذیل تفصیل رفادہ کے سلسلہ میں دیتے ہیں کہ قریش کے مذکورہ زیریں خاندانوں کے مالدار اور اہم افراد باری باری سے رفادہ کا انتظام کرتے تھے۔

۱۔ بنو ہاشم	= عباس بن عبد المطلب
۲۔ بنو عبد شمس	= عتبہ بن ربیعہ
۳۔ بنو نوفل	= حارث بن عامر اور طعیمہ بن عدی۔ باری باری سے
۴۔ بنو اسد	= ابو البختری اور حکیم بن حزام ... باری باری سے
۵۔ بنو عبد الدار	= نضر بن حارث
۶۔ بنو مخزوم	= ابو جہل
۷۔ بنو جمح	= امیہ بن خلف
۸۔ بنو سہم	= نبیہ بن حجاج اور منبہ بن حجاج، باری باری سے
۹۔ بنو عامر بن لوی	= سہیل بن عمرو بن عبد شمس

(۴۷) ابن سعد، ص ۱۲۷،

(۴۸) ابن اسحاق ص ۸۲

(۴۹) العقد الفرید، جلد سوم، ص ۳۱۴، نیز ازرقی ص ۷۱۔

(۵۰) العقد الفرید، جلد سوم، ص ۳۱۴، ازرقی ص ۷۱، ان دونوں کے بیان میں تھوڑا سا اختلاف ہے العقد الفرید کا بیان ہے کہ لواء بنو امیہ کے پاس تھا جو کہ غلط ہے کیونکہ لواء ہمیشہ بنو عبد الدار کے ہاتھ میں رہا جیسا کہ ازرقی ص ۶۷ تصریح کرتے ہیں، اس کے علاوہ جنگ بدر میں مکہ کی فوج میں لواء کا عہدہ بنو عبد الدار کے ایک فرد کے پاس ہی تھا، ملاحظہ ہو ابن سعد ص ۱۵ جو کہتے ہیں کہ قریش مشرکین کے تین لواء تھے اور تینوں بنو عبد الدار کے افراد کے ہاتھوں میں تھے، زبیری ص ۵۴۔۲۵۱، نے غزوہ احد میں کم سے کم ۹ علمبرداروں کے نام گنائے ہیں جو کہ فوج میں تھے اور یہ سب کے سب عبدری تھے، اسلئے ازرقی کا بیان صحیح ہے کہ بنو امیہ کو قیادہ حاصل تھا، بنو عبد الدار میں حجابہ، ندوہ اور لواء کے تاریخی تسلسل کیلئے ملاحظہ ہو ازرقی ص ۶۷-۶۶

(۵۱) العقد الفرید جلد سوم، ص ۳۱۵

(۵۲) گرونی بام (Greunebaum) کلاسیکل اسلام (Classical Islam) ترجمہ کیتھرین واٹسن (Catherine watsan) لندن ۱۹۷۰ء ص ۲۰، اس کی تائید الفاکہی کتاب المنتقی اخبار ام القریٰ مرتبہ Ferdinand Wotseu feld) بیروت ۱۹۶۴ء، ص ۱۴۳ سے ہوتی ہے الفاکہی کا بیان ہے کہ "ان میں سے کوئی بھی قریش پر بادشاہ نہیں تھا بلکہ وہ قریش کی رضامندی سے قوم کے سردار بنے تھے"۔

(۵۳) ابن اسحاق، ص ۳۱۳، بخاری باب فضائل اصحاب النبی کی ایک حدیث میں انہیں کی تعریف ہے۔

(۵۴) ابن اسحاق، ص ۱۴۳؍۱ابن سعد، سوم ص ۵۵ نیز شبلی، دوم ص ۲۶، ۲۲۳، ۲۲۳، مصعب زبیری ص ۲۲مصعب الزبیری ص ۱۸، کے مطابق حضرت عثمان بن عفان رشتہ میں عبدالمطلب ہاشمی کے نواسے ہوتے تھے کیونکہ ان کی ماں اُروی بنت کریز عبدالمطلب کی بیٹی ام حکیم کی دختر تھیں۔

(مطبوعہ: ماہنامہ ''الفرقان''، لکھنؤ، جولائی ۲۰۰۲ء)

(بقیہ صفحہ 64)

ششماہی ''السیرۃ'' (عالمی)

آج کل، کتابی ضخامت وقامت اور حلیہ وحجم کے اردو جریدے، بیشتر ادبی موضوعات سے سروکار رکھے ہوئے ہیں۔ ''السیرۃ'' نے اس فیشن سے یکسر ہٹ کر، ایک نیا اور منفرد تجربہ کیا، اور ہر چھے ماہ بعد، سیرت نبوی (علیہ التحیۃ والتسلیم) پر، ایک ''کتاب'' پیش کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ ماشاء اللہ، اب ساتواں شمارہ (ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ) ہمارے سامنے ہے۔ اس میں شامل مقالات کے عناوین ایک نظر دیکھیے۔ مقامِ محمد (ﷺ)......ایام النبی (ﷺ)......کتاب اللہ واصحاب رسول اللہ (ﷺ)......حبِ رسول اور اس کے تقاضے......عہدِ رسالت میں صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی فقہی تربیت......حضور (ﷺ) کا تعلیمی انقلاب......رسول اکرم (ﷺ) اور تعدد ازواج......اور مخطوطات حدیث وسیرت......!

خصوصاً فاضل جلیل پروفیسر ظفر احمد صاحب کا مقالہ ''کتاب اللہ واصحاب رسول اللہ'' اس پائے کی علمی کاوش ہے کہ کڑے سے کڑے تحقیقی معیار پر پرکھا جائے، تو داد کا مستحق ٹھہرے۔ یہ......مقالہ کم اور ایک نہایت نپا تلا، بادلیل و باحوالہ، اور نہایت مؤثر ''لیکچر'' زیادہ ہے۔ استدلال اور بیان کا بہاؤ ایسا کہ قاری سرشاری اور ''گرفتاری'' کی کیفیت میں اس بہاؤ کے ساتھ ساتھ بہتا چلا جاتا ہے۔ اور ایک لطف بلکہ کمال یہ بھی ہے کہ حوالے، ہر دو طرح کے مآخذ سے دیئے گئے ہیں۔ یعنی معروف معنوں میں ''مخالف'' اور ''موافق'' مآخذ سے!

پروفیسر ظفر احمد صاحب، گورنمنٹ ایس ای کالج بہاول پور میں شعبہ علوم اسلامیہ کے صدر رہے ہیں۔ آج کل ''ریٹائرڈ لائف'' سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ یہ ''السیرۃ'' کے لیے اعزاز، اور قارئینِ ''السیرۃ'' کے لیے تشکر وطمانیت کا مقام ہے کہ پروفیسر صاحب ایسے یگانہ فاضل، برابر اس مجلّے کی قلمی سرپرستی فرما رہے ہیں۔ اس سے پہلے، ان کا مقالہ ''سیرت نبوی کے توقیتی تضادات (اور ان کا حل)'' اسی مجلّے کے توسط سے، قارئین تک پہنچا۔ یہ وہ مہتم بالشان علمی کارنامہ ہے کہ کسی بھی زبان کے سیرتی سرمائے میں، اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس مقالے کو تو عربی، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی سمیت دنیا کی ہر اس زبان میں ترجمہ ہونا چاہیے تھا کہ جو سیرتی سرمائے سے ثروت مند ہے۔

''السیرۃ'' کے زیرنظر شمارے کی قیمت ۱۲۵ روپے (۱۸، امریکی ڈالر) ہے اور ملنے کا پتا وہی......۱ے۴/۷ ناظم آباد نمبر۴، کراچی ۱۸، (پوسٹ کوڈ ۷۴۶۰۰) ہے۔ ضخامت، ۴۳۲ صفحات ہے۔

حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ
کے بیانات کے آڈیو کیسٹ

نمبر شمار	عنوانات	تاریخ	مقام	وقت
1	سیرت النبیؐ، شان صحابہؓ	۱۹۸۲ء	جھنگ	ڈیڑھ گھنٹہ
2	معراج مصطفیٰ ﷺ	۱۹۶۸ء	جام پور	ڈیڑھ گھنٹہ
3	محفل قرآن	۱۹۹۰ء	سلانوالی	ایک گھنٹہ
4	سیرت رسول ﷺ	۲۳ فروری ۱۹۸۳ء	اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور	دو گھنٹے
5	خلافت راشدہ	۱۹۸۶ء	ملتان	ایک گھنٹہ
6	آئین شریعت کانفرنس	۱۹۸۴ء	لاہور	ساڑھے تین گھنٹے
7	موت کا منظر (بر موقع وفات حضرت لاہوریؒ)	۱۹۶۲ء	خان پور	ایک گھنٹہ
8	بیاد: مولانا عبدالشکور دین پوریؒ	۲۳ر اکتوبر ۱۹۸۷ء	جامعہ اسلامی مشن بہاولپور	دو گھنٹے
9	عقائد باطلہ کارد		خان پور	ایک گھنٹہ
10	آئین شریعت کانفرنس حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک	۳۱ جنوری ۱۹۸۶ء	مینار پاکستان لاہور	ایک گھنٹہ

قیمت مکمل سیٹ: پاکستانی کیسٹ:-/365 روپے ☆ جاپانی کیسٹ:-/590 روپے

(مکمل سیٹ کی خریداری پر ڈاک خرچ بذمہ ادارہ)

نوٹ: اکابر احرار اور علماء پاک و ہند کی آڈیو، ویڈیو کیسٹوں کا مرکز

ملنے کا پتا

صدائے احرار، دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی۔ملتان

******** فون: 061-511961 ********

Designed By: AHRAR GRAPHICS - Multan Ph# 061-511961

پروفیسر خالد شبیر احمد (قسط نمبر:۶)

ناظم اعلیٰ مجلس احرار اسلام پاکستان

اکابرِ اسلام اور قادیانیت

" چونکہ میں دیکھتا ہوں۔ ان دنوں جاہل اور شریر لوگ اکثر ہندوؤں میں سے اور کچھ مسلمانوں میں سے، گورنمنٹ کے مقابل ایسی ایسی حرکتیں ظاہر کرتے ہیں، جن سے بغاوت کی بُو آتی ہے بلکہ مجھے شک ہوتا ہے کہ کسی وقت باغیانہ رنگ ان کی طبائع میں پیدا ہوجائے گا۔ اس لئے میں اپنی جماعت کے لوگوں کو جو مختلف مقامات پنجاب اور ہندوستان میں موجود ہیں اور بفضلِ تعالیٰ کئی لاکھ تک ان کا شمار پہنچ چکا ہے نہایت تاکید سے نصیحت کرتا ہوں کہ وہ میری تعلیم کو خوب یاد رکھیں جو تقریباً ۲۶ برس سے تقریری اور تحریری طور پر ان کے ذہن نشین کرتا آیا ہوں یعنی یہ کہ اس گورنمنٹ انگریزی کی پوری اطاعت کریں کیونکہ وہ ہماری مُحسن حکومت ہے۔ ان کی ظلِ حمایت میں ہمارا فرقہ احمدیہ چند سال میں لاکھوں تک پہنچ گیا ہے اور اس گورنمنٹ کا احسان ہے کہ اس کے زیرِ سایہ ہم ظالموں کے پنجے سے محفوظ ہیں۔ خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت ہے کہ اس نے اس گورنمنٹ کو اس بات کے لئے چن لیا تاکہ یہ فرقہ احمدیہ اس کے زیر سایہ ہوکر ظالموں کے حملوں سے اپنے تئیں بچاوے اور ترقی کرے۔ کیا تم یہ خیال کرسکتے ہو کہ تم سلطان روم کی عملداری میں رہ کر یا مکہ اور مدینہ میں ہی اپنا گھر بنا کر شریر لوگوں کے حملوں سے بچ سکتے ہو؟ نہیں، ہرگز نہیں! بلکہ ایک ہفتے میں ہی تم تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کئے جاؤ گے۔ تم سن چکے ہو کہ کس طرح عبداللطیف جو ریاست کابل کے ایک معزز، بزرگ اور نامور رئیس تھے، جن کے مرید پچاس ہزار کے قریب تھے، جب وہ میری جماعت میں داخل ہوئے تو محض اس مقصد سے کہ میری تعلیم کے موافق جہاد کے مخالف ہوگئے تھے۔ امیر حبیب اللہ خان نے نہایت بے رحمی سے ان کو سنگسار کرادیا۔ پس کیا تمہیں کچھ توقع ہے کہ تمہیں اسلامی سلاطین کے ماتحت کوئی خوشحالی میسر آئے گی بلکہ تم تمام اسلامی مخالف علماء کے فتوؤں کی رُو سے واجب القتل ٹھہر چکے ہو۔

یہ تو سوچو کہ اگر تم اس گورنمنٹ کے سائے سے باہر نکل جاؤ، تمہارا ٹھکانہ کہاں ہے؟ ایسی سلطنت کا بھلا نام تو لو، جو تمہیں اپنی پناہ میں لے لے گی۔ ہر ایک اسلامی سلطنت تمہارے قتل کے لئے دانت پیس رہی ہے کیونکہ ان کی نگاہ میں تم کافر اور مرتد ٹھہر چکے ہو سو تم اس خداداد نعمت کی قدر کرو اور تم یقیناً سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے سلطنت انگریزی تمہاری بھلائی کے لئے ہی اس ملک میں قائم کی ہے اور اگر اس سلطنت پر کوئی آفت آئے تو وہ آفت تمہیں نابود کردے گی اور یہ مسلمان لوگ جو اس فرقہ احمدیہ کے مخالف ہیں۔ تم ان کے علماء کے فتوے سُن چکے ہو یعنی یہ کہ تم ان کے نزدیک واجب القتل ہو اور ان کی آنکھ میں ایک کتا بھی رحم کے لائق ہے مگر تم نہیں ہو۔ تمام پنجاب اور ہندوستان کے فتوے بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کے فتوے

تمہاری نسبت یہ ہیں کہ تم واجب القتل ہو، تمہیں قتل کرنا اور تمہارا مال لوٹ لینا اور تمہاری بیویوں پر جبر کر کے نکاح میں لے لینا اور تمہاری میت کی توہین کرنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دینا نہ صرف جائز ہے بلکہ بڑے ثواب کا کام ہے۔ سو یہی انگریز ہیں جن کو لوگ کافر کہتے ہیں جو تمہیں ان خونخوار دشمنوں سے بچاتے ہیں اور ان کی تلوار کے خوف سے تم قتل کیے جانے سے بچے ہوئے ہو ذرا اور کسی سلطنت کے زیرسایہ رہ کر دیکھ لو، تم سے کیسا سلوک کیا جاتا ہے؟ سو انگریزی سلطنت تمہارے لئے ایک رحمت ہے۔ تمہارے لئے ایک برکت ہے اور خدا کی طرف سے تمہاری وہ سپر ہے پس تم دل و جان سے اس سپر کی قدر کرو"۔ (تبلیغ رسالت جلد دہم ص ۱۲۴، اشتہار مورخہ ۲۷ رمئی ۱۹۰۷ء)

۱۹۰۸ء میں حکیم نورالدین نے جب اقتدار سنبھالا۔ اسلامیان عالم خصوصاً ترکی سلطنت نامساعد حالات سے دوچار تھی۔ یہودیوں اور انگریز ترکی کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ استعماری طاقتوں نے سلطنت عثمانیہ کی حدود میں قومیت کے جذبات کو ابھار کر ترک قوم کو داخلی انتشار جیسے مسئلے سے دوچار کر دیا تھا۔ بلقان کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں جن میں ہرزی گوڈینا، بوسینیا، رومانیہ اور بلغاریہ بھی شامل تھیں۔ ترکوں کے خلاف بغاوت کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ نوجوان ترکوں کو ورغلا کر حکومت کے خلاف کر دیا گیا۔ انہوں نے "ینگ ٹرکس" کے نام سے ایک الگ تنظیم قائم کر لی۔ اس تنظیم کی غرض و غایت بھی سلطان عبدالحمید کو معزول کر کے اس کی جگہ محمد خامس نامی ایک شخص کو ترکی کا سلطان مقرر کرنا تھا۔ سلطنت عثمانیہ کے ان حالات کو دیکھ کر اردگرد کی غیر مسلم ریاستوں نے بھی ترکوں کے لئے مسائل پیدا کرنے شروع کر دیئے۔ آسٹریا نے، بوسینیا اور ہرزی گوڈینا کی ریاستوں کے ساتھ الحاق کر کے انہیں ترکوں کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا۔ اٹلی کی حکومت نے بھی ترکوں کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ کر کے ۱۹۱۲ء طرابلس پر حملہ کر دیا۔ جب ترکی نے مصر کے راستے اپنی فوج کو اٹلی کی فوجوں کے خلاف کارروائی کرنا چاہی تو انگریزوں نے مصر کے راستے ترک فوجوں کو راستہ دینے سے انکار دیا۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بلقان نے بھی ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ جو ترکوں کے زیر تسلط ایک ریاست تھی۔ انگریزوں نے ان بغاوتوں کو نہ صرف شہہ دی بلکہ اپنے سوچے سمجھے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے ان کی فوجی مدد بھی کی۔ اس طرح ترکی کی عظیم سلطنت کو ان ریاستوں میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس شکست پر ہندوستان کے مسلمانوں میں اضطراب پھیل گیا۔ ہندوستان کے مسلم زعماء کی تمام حالات پر ایک گہری نگاہ تھی۔ وہ اس کے پس پردہ یہودی اور عیسائیوں کے مذموم مقاصد سے پوری طرح آشنا تھے۔ اور دل کی گہرائیوں سے سلطنت عثمانیہ کو بچانا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے جنگ طرابلس اور بلقان کے موقع پر پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو غیرت ملی کے جذبات سے سرشار کر کے میدان عمل میں لا کھڑا کیا۔ مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا ظفر علی خانؒ اور مولانا شبلی نعمانیؒ ترکوں کی حمایت میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے اخبارات کے ذریعے مسلمانوں کے اندر خلافتِ عثمانیہ کے دفاع کے لئے ایک تحریک کی صورت پیدا کر دی۔ جگہ جگہ جلسے کیے گئے، جلوس نکالے گئے، چندے کر کے طرابلس اور بلقان کے مسلمانوں

کی مدد کے لئے خطیر رقوم جمع کی گئیں۔ ڈاکٹر مختار انصاری کی قیادت میں ایک بڑا وفد ترکی بھیجا گیا۔ تاکہ زخمی مسلمانوں کی مدد کی جاسکے۔ اس وفد میں آٹھ ڈاکٹر، چھ مرہم پٹی کرنے والے کارکن اور بارہ ایمبولینس کے رضاکار شامل تھے، اس کے علاوہ چند مسلمان طلباء اس طبی وفد میں شامل تھے۔ جنہوں نے مسلمانوں کی خدمت کیلئے اپنے تعلیمی مستقبل کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ اس صورت حال کی عکاسی مولانا شبلی نعمانیؒ کے مندرجہ اشعار سے ہوتی ہے جو اس وقت ہر باشعور مسلمان کی زبان پر تھے۔

مراکش جاچکا نازلس گیا اب دیکھنا یہ ہے	کہ بچتا ہے یہ ترکی کا مریضِ ہمت جاں کب تک
یہ سیلاب بلا جو بلقان سے بڑھتا چلا آتا ہے	اسے روکے گا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کب تک
زوال دولت عثمان، زوالِ شرع وملت ہے	عزیزو فکر فرزند و عیال وخانماں کب تک
بکھرتا جاتا ہے شیرازۂ اوراقِ اسلامی	چلیں گی تند بادِ کفر کی یہ آندھیاں کب تک

ہندوستانی مسلمانوں کا طبی وفد جب واپس ہندوستان پہنچا تو مسلمانوں نے اس کا عظیم الشان استقبال کیا۔ مولانا شبلی نعمانیؒ نے اس موقع پر ڈاکٹر مختار انصاری کے پاؤں چھونے چاہے، ڈاکٹر صاحب نے انہیں منع کیا تو جواب نے مولانا نے کہا کہ ”یہ تمہارے پاؤں نہیں بلکہ اسلام کے مجسمۂ غربت کے پاؤں ہیں“۔

اِدھر ہندوستان کے غیرت مند مسلمانوں کے دل دشمنانانِ اسلام کا مسلمانوں کی صفوں میں سازشوں پر خون کے آنسو رو رہے تھے تو اُدھر قادیان کے بزعم خویش ”اصلی مسلمان“ اپنے قائد و پیشوا مرزا غلام احمد قادیانی کی واضح جذبات کے عین مطابق یہودیوں اور عیسائیوں سے گٹھ جوڑ کر کے کیسی کیسی اسلام دشمن سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ اس کا تذکرہ بھی پیش خدمت ہے۔

پہلا مشن: لندن میں حکیم نورالدین نے خواجہ کمال الدین قادیانی کو خاص مشن پر مامور کر رکھا تھا جس کا برطانوی فارن آفس کے ذریعے صیہونی تنظیم (W.Z.O) کے ساتھ رابطہ تھا۔ بظاہر وہ ورکنگ مسجد کے انچارج تھے لیکن در پردہ قادیانی ہدایات کے عین مطابق دن رات اس پروپیگنڈے میں مصروف تھے کہ خلافتِ عثمانیہ چند دنوں کی مہمان ہے کیونکہ اس سلطنت کی تباہی کی پیش گوئی اُن کے ”نبی“ مرزا غلام احمد کر چکے تھے اس نے بقول ”تاریخ احمدیت“ نوسال پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ترکی کی حکومت زیادہ دیر نہیں چل سکتی، زوال اس کا مقدر ہو چکا ہے۔ یورپ کے تمام یہودی قادیانیوں کے اس پروپیگنڈے میں خصوصی دلچسپی لیتے اور قادیانی تحریک کی ہر طرح سے حوصلہ بڑھاتے رہے۔ تاکہ وہ اپنے مشن کی تکمیل کے لئے ان کی راہیں جہاں تک ممکن ہو جلد صاف کرسکیں۔ لندن میں قادیانیوں کی یہودیوں کے حق میں یہ آواز پورے یورپ کے اندر سب سے پہلی آواز تھی۔

دوسرا مشن: مرزا محمود کو حکیم نورالدین نے ایک دوسرے مشن پر حجاز بھیجا۔ جو عربوں کو ترکوں کے خلاف اکسانے کا ایک مرکزی خطہ بن چکا تھا۔ برطانوی سامراج نے جب لارنس آف عریبیہ کے ذریعے عربوں کو نسلی امتیاز کی بنیادوں پر ترکوں کیخلاف مہم شروع کی تو اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے قادیانیوں سے بھی کام لینے کا فیصلہ ہوا۔ چنانچہ مرزا محمود اسی کام کے لئے حجاز بھیجے گئے۔ قادیان میں ایسے قادیانی مبلغ موجود تھے جو بیک وقت قادیانی مبلغ بھی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ برطانوی ''انٹیلی جنس'' کے نمائندے بھی۔ انہی میں سے ایک قادیانی جس کا نام عبدالحئی تھا، جسے عربی زبان پر اچھا خاصا عبور حاصل تھا۔ مرزا محمود قادیانی کے ہمراہ اس مشن پر روانہ ہوا تاکہ عربوں کے ساتھ رابطے میں آسانی ہو۔ ان کے ساتھ تیسری اہم شخصیت مرزا ناصر نواب کی تھی جو رشتے میں مرزا محمود کے نانا تھے۔ یہ لوگ مکہ اور مدینہ کے گردونواح میں اپنی مذموم سرگرمیوں میں مصروف تھے کہ مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ جو حج کے لئے حجاز گئے ہوئے تھے، انہوں نے جب قادیانیوں کی سلطنت عثمانیہ کے خلاف سرگرمیاں دیکھیں تو قادیانیوں کا محاسبہ کیا اور لوگوں کو بتایا کہ یہ شخص ایک جھوٹے نبی مرزا غلام احمد کی اولاد ہے جو اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے عربوں کے درمیان ترکوں کے خلاف نفرت کے بیج بو رہا ہے۔ چند ہی دنوں میں حالات تبدیل ہوگئے عربوں کو معلوم ہوگیا مرزا محمود ہندی کذاب کا بیٹا ہے اور ہمارے درمیان ارتداد پھیلا رہا ہے۔ چنانچہ مرزا محمود جہاں سے گزرتا عرب اشاروں سے ایک دوسرے کو مطلع کرتے ''ھٰذا ابن کاذب'' اسی دوران مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ نے مرزا محمود کو مناظرے کا چیلنج بھی دیا جس کے بعد حکیم نورالدین کے اس قادیانی وفد کا مکہ اور مدینہ میں ٹھہرنا بہت مشکل ہوگیا اور وہاں سے انہیں بھاگنا پڑا۔ مرزا محمود نے اپنے اس مشن کی روئیداد اس طرح بیان کی ہے۔

''میں (مرزا محمود) نے وہاں (مکہ مکرمہ) تبلیغ شروع کی اور خدا نے اپنے خاص فضل سے میری حفاظت کی۔ اُس وقت وہاں حکومتِ ترکی کا وہاں چنداں اثر تھا۔ اب تو شاہ حجاز کی گورنمنٹ انگریزی کے زیر اثر ہونے کے باعث ہندوستان سے بدسلوکی نہیں ہوسکتی مگر اُس وقت یہ حالت نہ تھی اُس وقت وہاں جس کو چاہتے گرفتار کر لیتے تھے۔ مگر میں نے وہاں تبلیغ کی اور کھلے طور پر کی۔ لیکن جب ہم وہ مکان چھوڑ کر فارغ ہوئے تو دوسرے دن اس مکان پر چھاپا مارا گیا اور مالک کو پکڑ لیا گیا کہ اس قسم کا یہاں کوئی شخص تھا'' (الفضل قادیان ۷؍مارچ ۱۹۲۱ء)

تیسرا مشن: حکیم نورالدین نے ترکوں کے خلاف یہودیوں اور انگریزوں کی حمایت میں تیسرا مشن ۲۶؍جولائی ۱۹۱۳ء کو مصر روانہ کیا۔ اس مشن میں زین العابدین ولی اللہ شاہ اور شیخ عبدالرحمٰن شامل تھے انگریز سامراج اس وقت مصر، شام اور عراق میں ترکوں کے خلاف سرگرم عمل تھا۔ مصر مرکز تھا، جہاں سے سارے اسلامی علاقوں میں انگریزوں اور یہودیوں کے جاسوسوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ ادھر لارنس آف عریبیہ اپنے مشن پر صحرائے سینائی میں مصروف عمل تھا۔ انگریز شریف حسین مکہ کو ترکوں کے خلاف بغاوت پر اُکسانے میں اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا کہ قادیانیوں کا یہ مشن انگریزوں اور یہودیوں

کی اعانت کے لئے مصر پہنچا۔ زین العابدین اور شیخ عبدالرحمٰن قادیانی نے مصر پہنچ کر برطانوی ریذیڈنٹ جنرل کچز سے رابطہ قائم کیا۔ کچھ عرصہ تک ان دونوں نے ترک اقتدار کے خاتمے کیلئے برٹش ایجنسیوں کے ساتھ مل کر کام کیا بعد میں ولی اللہ زین العابدین شیخ عبدالرحمٰن کو مصر میں چھوڑ کر خود برٹش ایجنسی کی ہدایت پر بیروت (لبنان) روانہ ہو گیا۔ بیروت میں اس قادیانی نے عام مسلمانوں میں بڑا اثر رسوخ حاصل کر لیا۔ اس لئے کہ اس نے بظاہر ترکوں کے حامی کا روپ دھار لیا تھا۔ ہندوستان کے اندر چونکہ ترکوں کی حمایت میں ایک پرزور تحریک جاری تھی، اس لئے ترک اہل ہندوستان کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انہی حالات سے فائدہ اٹھا کر زین العابدین نے بیروت، حلب، بیت المقدس میں برطانوی انٹیلی جنس کی ہدایت کے مطابق بڑی اہم خدمات سرانجام دیں۔ حتیٰ کہ صلاح الدین ایوبی کالج میں ترکوں کی سفارش پر لیکچرر مقرر ہو گیا۔ زین العابدین قادیانی تحریک جاسوسی میں ایک اہم مقام اور منفرد حیثیت کا حامل ہے جسے ''عجمی لارنس'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس شخص نے ترکوں کے زوال، یہودیوں اور انگریزوں کے اقتدار کے لئے بڑی نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس لئے اس کے بارے میں چند اہم معلومات مہیا کرنا انتہائی ضروری ہیں۔ شام کے ایک فاضل محقق محمد منیر القادری نے اپنی کتاب ''القادیانیت'' میں جنگ عظیم کے دوران قادیانیوں کے جاسوس کردار سے پردہ اٹھاتے ہوئے اس طرح تحریر کیا ہے۔

''اور یہ بات پوری ذمہ داری سے کہی جاسکتی ہے کہ قادیانیوں سے چشم پوشی مسلمانوں کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔ خصوصاً جاسوسی کے بارے میں کیونکہ پہلی جنگ عظیم کے وقت انگریزی سامراج نے ایک قادیانی مسمی ولی اللہ زین العابدین کو سلطنت عثمانیہ میں بھیجا جس نے وہاں یہ ظاہر کیا کہ وہ سلطنت عثمانیہ کا بہی خواہ ہے اور مسلمان ہے۔ عثمانی دھوکہ کھا گئے اور اس کو پانچویں ڈویژن کے کمانڈر جمال پاشا کے پاس بھیج دیا، جس نے اس کو ۱۹۱۷ء میں القدس یونیورسٹی میں دینیات کا لیکچرر مقرر کر دیا۔ بعد میں جب انگریزی افواج دمشق میں داخل ہوئی تو مذکورہ ولی اللہ زین العابدین اس لشکر میں شامل ہو گیا''۔ (محمد منیر القادری، القادیانیت دمشق ص۱۴)

شورش کاشمیری اسی قادیانی جاسوس کے بارے میں اپنی کتاب ''تحریک ختم نبوت'' میں یوں رقم طراز ہیں۔

''پہلی جنگ عظیم ۱۸۔۱۹۱۴ء میں عرب ریاستوں کے احوال و آثار اور اسرار و وقائع چوری کرنے کے لئے مرزا محمود نے اپنے مریدوں کی ایک کھیپ مہیا کی۔ ہندوستانی فوج کی ہر کمپنی کے ساتھ جاسوسی کے فرائض سرانجام دینے کے لئے ایک یا دو قادیانی منسلک کئے گئے۔ کئی ایک معتمد ترکی بھیجے گئے۔ جنہوں نے مقامی ملازمت کے پردے میں سکاٹ لینڈ یارڈ کی حسب ہدایت کام کیا۔ دمشق میں مرزا محمود کا سالہ زین العابدین ترکوں کی پانچویں ڈویژن کے انچارج جمال پاشا کی معرفت قدس یونیورسٹی میں دینیات کا لیکچرر لگ گیا۔ لیکن جس روز انگریزی فوج دمشق میں داخل ہوئی وہ انگریزوں کے کمانڈر کے ماتحت ہو گیا اور کئی ایک معتمد ترکوں کو قتل کروانے میں حصہ لیا۔ اس کا چھوٹا بھائی میجر حبیب اللہ شاہ فوج میں ڈاکٹر تھا، اس کو بغداد فتح ہونے پر عارضی طور پر گورنر مقرر کیا گیا۔ جب ۱۹۲۴ء میں عراقی حکومت کو مرزائیوں کے خدوخال کا پتہ چلا

تو ان کی غدارانہ سرگرمیوں کے باعث ان سب کو وہاں سے نکال دیا''۔ مرزا محمود نے جمعہ کے خطبہ (مطبوعہ الفضل ۱۹۲۳ء) میں اعتراف کیا: ''عراق فتح کرنے میں احمدیوں نے خون بہایا اور میری تحریک پر سینکڑوں لوگ بھرتی ہو کر گئے''۔

بہر حال یہ قصہ آئندہ آنے والے صفحات پر بھی جاری رہے گا۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ حکیم نورالدین کے مشن پر بھیجے گئے خصوصیت کے ساتھ یہ دو شخص زین العابدین اور شیخ عبدالرحمٰن برطانوی مقاصد کے حصول کیلئے کتنے مفید اور کارآمد ثابت ہوئے۔ شیخ عبدالرحمٰن مصر کے اندر ایک مدت تک خصوصی مشن پر فائض رہ کر برطانوی انٹیلی جنس اور قادیان کے درمیان ایک خصوصی رابطے کا کام دیتا رہا۔ شیخ عبدالرحمٰن کے بارے میں قارئین کو یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ وہی شیخ عبدالرحمٰن ہے جو تاریخ قادیان میں شیخ عبدالرحمٰن مصری کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جس نے بغداد میں مرزا محمود کے خلاف اس کی اخلاقی بے راہ روی اور بے شمار جنسی سیکنڈلوں کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔ یہ کہانی مرزا محمود کے باب میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوگی، یہاں پر صرف یہی بتانا مقصود ہے۔ شیخ عبدالرحمٰن نے جی ڈی کھوسلہ کی عدالت میں بیان دیا تھا کہ ''مرزا محمود زنا کار ہے، تقدس کے پردے میں عورتوں اور لڑکوں کو ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور یہ بھی کہ مرزا محمود نے ایک سوسائٹی بنا رکھی ہے جس میں زنا ہوتا ہے''۔

۱۹۱۳ء میں حکیم نورالدین کی ہدایت پر انڈیا آفس کے ایماء پر قادیانی پرچے ''البدر'' کے ساتھ ایک عربی ضمیمہ کی اشاعت کا فیصلہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جس میں عربوں کی ترک مخالفت کو فوقیت حاصل تھی۔ اس مخالفت کو ابھارنے کے لئے اس عربی ضمیمہ میں بڑا زبردست مواد پیش کیا جاتا تھا کہ برطانوی سامراج کی مذموم حکمت عملی عربوں کو ترکوں کے خلاف لڑا دیا جائے تا کہ ترک حکومت اپنے اس اندرونی خلفشار سے بہت جلد کمزور ہو کر دنیا سے نیست و نابود ہو جائے اور اس کی جگہ سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کر کے مختلف حصوں پر اپنا اثر و رسوخ کو قائم رکھتے ہوئے فلسطین کے اور یہودیوں کی اسرائیلی ریاست کے قیام کو ممکن بنایا جا سکے۔ یہ ضمیمہ اس کا سب سے بڑا پرچار کرتا تھا۔ اسی قسم کا پرچہ عرب بیرو قاہرہ نے فارن آفس لندن کی ہدایت پر جاری کیا جس کا نام عرب بلیٹن تھا۔ قادیانی پرچے کی مشرق وسطیٰ اور دیگر عرب ریاستوں میں بڑے وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت کا اہتمام کیا گیا۔

ادھر یہ داستان چل رہی ہے۔ کتاب کے آئندہ صفحات پر اس کی مزید تفصیل نذر قارئین کی جائے گی لیکن چلتے چلتے قادیانی دجل کی ایک تصویر بھی ملاحظہ فرمائیں، جو ''تاریخ احمدیت'' جلد ہشتم کے صفحہ ۵۵۵ پر اس طرح پیش کی گئی ہے: ''قبضہ فلسطین کے پس منظر پر روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم بتاتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور حضور کی قیادت میں احمدیہ، پریس سلسلہ احمدیہ کے مبلغین بلاد عربیہ اور غربیہ کی تمام ہمدردیاں شروع سے ہی مسئلہ فلسطین کے بارے میں مسلمانان عالم کے ساتھ تھیں اور وہ یہودیوں کے ناپاک عزائم کو نفرت اور حقارت سے دیکھتے اور ان کی سازشوں کو اسلام اور مسلمانوں کیلئے سخت خطرہ سمجھتے تھے اور عرب مفادات اور مطالبات کی ترجمانی کا کوئی موقعہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔

۳۱ جنوری ۱۹۳۹ء کو عیدالاضحیٰ کی تقریب تھی۔ اس موقع پر امام مسجد لندن مولوی جلال الدین شمس نے ایک جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے فلسطین میں یہودیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد پر سخت تشویش کا اظہار کیا''۔

ان سطروں پر اب کیا تبصرہ کیا جائے سوا اس کے کہ بے اختیار منہ سے نکلتا ہے:

''ہوئے تم دوست جس کے، دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو''

یا پھر

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

القاسم اکیڈمی کی تازہ، عظیم اور شاہکار علمی پیش کش

شرح شمائل ترمذی (جلد اول)

ایک نادر تحفہ | تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی | ایک عظیم خوشخبری

حدیث کی جلیل القدر کتاب شمائل ترمذی کی سہل و دلنشین تشریح، سلجھی ہوئی سلیس تحریر، اکابر علماء دیوبند کے طرز پر تفصیلی درسی شرح، لغوی تحقیق اور مستند حوالہ جات، متعلقہ موضوع پر ٹھوس دلائل و تفصیل، رواۃِ حدیث کا مستند تذکرہ، متنازعہ مسائل پر تحقیق اور قولِ فیصل، معرکۃ الآراء مباحث پر جامع کلام، علماء دیوبند کے مسلک و مزاج کے عین مطابق' جمالِ محمد ﷺ کا محدثانہ منظر، نہایت تحقیقی تعلیقات اور اضافے، اردو زبان میں پہلی بار منصۂ شہود پر

صفحات : 600 قیمت : =/240

ناشر : القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس' خالق آباد' نوشہرہ' سرحد' پاکستان

مکتوب: مولانا عتیق الرحمن سنبھلی (لندن)

برادر محترم جناب سید کفیل شاہ بخاری، مدیر ''نقیب ختم نبوت'' ملتان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

ممنون ہوں کہ ''نقیب'' ایسی پابندی کے ساتھ برس ہابرس سے ملتا ہے، جیسے اپنے باضابطہ خریداروں کو جاتا ہوگا۔ جولائی کے شمارہ میں حسین میر کاشمیری صاحب پر مضمون نے مرحوم کا وہ ''خطبہ'' یاد دلادیا جو مجھے تیرہ چودہ سال کی عمر میں سن کر نقش ہوگیا تھا۔ ''الحمد للگاڈسیو دی کنگ ایمپرر، الذی استویٰ عرائه البکنگھم والوڈ نسر ......'' عجیب ظرافت وذہانت کا نمونہ تھا۔ مضمون نے موصوف سے بھرپور تعارف بخش دیا اور شخصیت، کا جو فی الجملہ تصور خطبہ سے تھا۔ اس کا رنگ شوخ سے شوخ تر ہوگیا۔ اللہ مغفرت کرے خوب آدمی تھے۔

یہ جولائی کے شمارے کا ایک افادہ ہوا، مگر اسی کے پہلو بہ پہلو ایک ''سانحہ'' سا بھی اس مضمون میں نظر آیا ہے جو ''خود فریبی'' کے عنوان سے آپ نے چھاپا ہے۔ کم از کم پانچ چھے سال کی بات ہے کہ ''جنگ'' لندن کے ایک مراسلے میں کشمیر کے حوالے سے ''عصمتوں کی قربانی'' کی ترکیب دیکھنے میں آئی اور سر چکرا گیا کہ یا اللہ ''قربانی'' کے مفہوم سے تو جو بے خبری تھی وہ تھی، عصمت کے لفظ نے بھی ہاتھ نہ پکڑا کہ میاں کیا غضب ڈھا رہے ہو! اس پر ایک مراسلہ ''جنگ'' کو لکھا۔ اور شکر ہے کہ اس کے بعد سے ''جنگ'' کے کسی مراسلے یا کسی بیان میں ''عصمتوں کی قربانی'' کی مکروہ ترکیب دیکھنے میں نہ آئی۔ یہاں ایک ہفتہ وار ''نیشن'' کے نام سے نکلتا ہے، کبھی کبھی دیکھنے آجاتا ہے۔ ادھر کچھ دن ہوتے ہیں (سال ڈیڑھ سال ضرور ہوگیا) کہ اس میں کسی زید، عمرو بکر کے قلم سے نہیں، جماعت اسلامی کے سید منور حسن صاحب سے منسوب بیان میں یہی ''قربانی'' دوبارہ پڑھنے میں آئی۔ یہاں ان کے اہلِ تعلق میں سے ایک مہربان کو میں نے ''جنگ'' والے قصہ کے حوالے سے توجہ دلائی کہ وہ مراسلہ نگار تو اللہ جانے اردو کتنی جانتا تھا اور اس کے دینی وثقافتی شعور کی سطح کیا تھی؟ مگر سید صاحب کے بارے میں تو کوئی ایسی توجیہ ان کی توہین ہوگی۔ اب اگر کوئی اور اچھی توجیہ آپ کے ذہن میں آتی ہو تو آپ میری مدد فرمائیں ورنہ سید صاحب کی خدمت میں میرا یہ استعجاب پہنچادیں۔ موصوف نے مجھے جواب دیا تھا کہ واقعی یہ ترکیب نامناسب ہے اور یہ کہ وہ سید صاحب کو میری بات پہنچا رہے ہیں۔ مگر یہ کہانی یہیں پر ختم ہوگئی، مجھ تک کوئی جواب نہ آیا۔ تیسری بار یہ حادثہ ''جنگ'' کے معروف ومؤقر کالم نگار جناب ارشاد احمد حقانی کا ایک حالیہ کالم پڑھتے ہوئے گزرا۔ انہوں نے پاکستان کے موجودہ حالات اور مشرف صاحب کی پالیسیوں کے سلسلے میں اپنے ایک قاری کا مراسلہ نقل کیا تھا، ان صاحب نے کشمیر کے حوالے سے یہی ترکیب دہرائی تھی۔ میرے تعجب کی حد نہ رہی کہ ارشاد صاحب نے بھی اس مکروہ ترکیب کو بلا نوٹس جانے دیا! یہ کیسا ستم ہو رہا ہے کہ اچھے اچھے لوگ ''عصمتوں کی قربانی'' پر راضی ہیں! دل نہ مانا ایک مؤدبانہ عریضہ ان کی خدمت میں بھی ارسال کیا۔ ان کا فیکس کام نہیں کر رہا تھا۔ ''جنگ'' لندن کے فیکس کو ذریعہ بنایا۔ اب اللہ جانے عریضہ آگے نہیں بڑھایا کیا ہو؟ میری توقع پوری نہ ہوئی، اب یہ چوتھی بار ہے

کہ آپ کو اسی سلسلے میں نقیب کے حوالے سے لکھنا پڑ رہا ہے۔ اور یہ ''حادثہ'' سابقہ تینوں ''حادثوں'' سے اس لئے بہت بڑھ کر ہے کہ خانوادۂ احرار سے بڑھ کر کون اس حقیقت کا راز دار ہو سکتا تھا'' قربانی'' وہ نقصان ہے جو'' آمادگی'' کے ساتھ اٹھایا جائے اور آمادگی بدرجۂ تمنا ہو تب تو اس قربانی کا کیا ہی پوچھنا؟ حدیث شریف در بارۂ جہاد وشہادت ہے:...... ''لوددت ان اقتل ثم احیٰ ثم اقتل ثم احیٰ ثم اقتل'' اسی کو غالب نے کہا ہے:

عشرتِ قتل گہِ اہل تمنا مت پوچھ
عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عُریاں ہونا

احرار اور خاص طور سے خانوادۂ بخاری کے بارے میں اپنا یہ حُسنِ ظن اور اس کے ساتھ'' نقیب'' میں کشمیری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزتیں اور عصمتیں لُٹ جانے کے لئے'' عزتوں اور عصمتوں کو قربان کرنے کی تعبیر! یقیناً! آپ معاف کر دیں گے اگر زبان پہ بے اختیار آ جائے کہ'' وائے گر پسِ امروز بود فردائے!''

تقریباً دس برس پہلے جب پہلی بار کشمیر میں عصمت دری کے واقعہ کی خبر پڑھی تو میں نے یہاں کے اپنے (انڈین) ہائی کمشنر کو لکھا کہ اگر اس سلسلے کی روک تھام نہ کی گئی تو کشمیر فلسطین بنے گا۔ بعد میں جب واقعات بڑھتے گئے تو میں سوچنے لگا کہ اہلِ کشمیر کو اس مسلح جنگ آزادی کا کیونکر روادار رہنا چاہیے، جبکہ اس کی قیمت انہیں صرف اپنے خون ہی سے نہیں اپنی بیٹیوں کی آبرو سے بھی دینا پڑ رہی ہے؟ وہ آزادی کس کام کی ہوگی جس کی خرید میں اپنی آبرو بھی جا چکی ہوگی! کچھ ہی دنوں کے بعد وہ ایک کشمیری مراسلہ'' جنگ'' میں پڑھا جس میں ان واقعات کو قربانی کا قابلِ فخر نام دے دیا گیا تھا۔ مگر اسے میں نے مراسلہ نگار کی کم علمی اور کم فہمی پر محمول کر لیا۔ لیکن اس کے بعد کے جو'' حادثات'' میں نے گنائے ہیں وہ تو یہ سمجھ لینے پر مجبور کر رہے ہیں کہ اس نقصانِ آبرو کو بھی فی الواقع قربانی ہی سمجھ لیا گیا ہے، جس پر حصولِ آزادی کی خاطر راضی ہونا چاہیے۔ سنا تھا کہ ذوالفقار علی بھٹو نے جب اپنے ناقدین کی سزا یہ مقرر کر دی کہ اگر وہ باز نہیں آتے تو ان کی بہو بیٹیاں اٹھوالی جائیں۔ اور اس تانا شاہی کی زد میں قبیلۂ احرار کے شورش کاشمیری (مرحوم) بھی آ گئے تو انہوں نے اپنی ساری زندگی کے'' آئینِ جوانمردی'' کو بہو بیٹیوں کی آبرو پہ قربان کر دیا اور بھٹو کے بارے میں زبان بندی قبول کر لی۔ کیا اُسے'' روباہی'' سمجھا جائے؟

آپ نے'' الفرقان'' میں میرے قلم سے اداریہ دیکھ لیا ہوگا، جس کی دوسری قسط آئندہ ماہ میں ان شاء اللہ آ رہی ہے۔ اس کے آخر میں میں نے لکھا ہے کہ بہت سے محبین کی ناراضگی کا خطرہ ہے۔ اور یہ لکھتے ہوئے حلقۂ احرار بھی ذہن میں تھا۔ مگر جان بوجھ کر یہ خطرہ آخری عمر میں صرف یہی دیکھ کر مول لیا ہے کہ جن الفاظ کے عملی جامہ سے امت کی آبرو تھی، وہ امت کی بدعت طرازیوں کے ہاتھوں اپنی آبرو کھوتے چلے جا رہے ہیں۔ الغرض قربانی کے سلسلے کی میری اس گزارش میں کچھ وزن نظر آئے تو اس کو اپنی تائیدی آواز کا وزن بھی دیجئے، کہ اس معاملے میں آپ کی ضرور سنی جائے گی۔ والسلام

خیر اندیش عتیق الرحمٰن سنبھلی

(لندن)

ساغر اقبالی

زبان میری ہے بات اُن کی

☆ میں چار ماہ بعد حجامت بنواتا ہوں۔ (عبدالکلام۔ صدر بھارت)

جانور دلپتّر نہ ہووے تے!

☆ تھانہ جتوئی کے ایس ایچ او کے خلاف قتل اور چوری کے مقدمات ہیں۔ (ایک خبر)

ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔

☆ ''اک پُھل موتیے دا مار''۔ شرابی منصور ملنگی پر جوتوں کی بارش۔ (ایک خبر)

لعنت بے شمار...... بر ہمہ گلوکار...... بکارِ سرکار

☆ ایسا کونسا سا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے جسے اتنا اُچھالا جا رہا ہے۔ (فیض بخش مستوئی)

کہ وڈیروں کا تو رات دن یہی کام ہے

☆ ''اسلام شیطانی مذہب ہے''۔ (فرینکلن گراہم۔ نیو یارک ٹائمز)

اور ہمارے اوقاف کے وزیر با تدبیر فرماتے ہیں ''امریکہ اسلام دشمن نہیں ہے''۔

☆ شریف خاندان کو الیکشن میں حصّہ نہیں لینے دیں گے۔ (راشد قریشی)

پہلے کون سا شریف خاندان الیکشن میں حصّہ لیتا ہے!

☆ مذہبی جلوس کشیدگی کا باعث بنتے ہیں۔ ہر گروہ چار دیواری کے اندر اپنی رسومات ادا کرے۔ (غلام سرور قادری وزیر اوقاف)

بات معقول ہے اگر امن مقصود ہو!

☆ یوسف رضا گیلانی، اڈیالہ جیل کی دال کھا کھا کر بیمار ہو گئے۔ (ایک خبر)

اللہ تعالیٰ، یہ دن لوگوں کے درمیان پھیرتا رہتا ہے۔

☆ عرس کے موقع پر خواتین سے چھیڑ خانی۔ (ایک خبر)

[redacted] عرس اور مدرسوں میں فرق ختم ہو گیا!

☆ پتہ نہیں، ہم نے کونسا اسلام لانا ہے۔ (وزیر داخلہ)

لانا نہیں۔ آپ لا رہے ہیں جس میں زنا، شراب جوا، گانا، سُود، رنڈی بازی سب حلال ہے۔

☆ پولیس حرام کھانے کے لئے دنیا میں آئی ہے۔) عدالت عالیہ۔ لاہور)

بلاتبصرہ!

☆ مجاہد پاکستان سے چلے جائیں۔ یہاں جہاد نہیں کرنے دیں گے۔ (وزیر داخلہ)

یہ تو مرزائیوں کا نظریہ ہے!

شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

میں ایک تاجر ہوں......!

میرا دس لاکھ روپیہ.......... دکان کی پگڑی کا جمع ہے.......... بیس لاکھ کا مال دکان میں ہے.......... جس میں سے تین لاکھ کا مال.......... کراچی ملوں سے ادھار لیا ہوا ہے.......... تین راولپنڈی.......... تین فیصل آباد.......... اور تین لاکھ روپے کا، لاہور سے.......... ہر جمعرات.......... میں پچاس ساٹھ ہزار روپے انہیں بھجوا دیتا ہوں.......... اور لاکھوں کا مال.......... مزید منگوا لیتا ہوں.......... اس طرح ادھار کا یہ سرکل جاری ہے.......... اگرچہ دکان دوسروں کے مال سے بھری ہوئی ہے.......... مگر تصرف کیلئے ہماری ہے.......... کہ اس ادھار کے مال سے میں نے.......... ایک کوٹھی بنوائی ہے.......... ایک کار خریدی ہے.......... سارے بچے.......... ماشاءاللہ.......... انگلش میڈیم اداروں میں داخل ہیں.......... اسی ادھار کے مال میں سے.......... میں ہر سال قربانی دیتا ہوں.......... ماہِ رمضان میں افطاری کراتا ہوں.......... ماں کی برسی پر دیگیں پکاتا ہوں.......... دینی مدرسے کے طلباء کو بلا کر.......... قرآن پڑھواتا ہوں.......... ادھار کے مال پر ماں کو بخشواتا ہوں.......... ختم پر بڑے بڑے مذہبی پروہت.......... گلے کی گراریاں گھما گھما کر.......... روح کیوڑہ.......... اگربتی.......... فرنی.......... پلاؤ.......... قورمہ.......... تنجن.......... اور.......... تازہ پھلوں کی لپٹوں میں.......... قرآن خوانی کرتے ہیں.......... پچھلے سال اسی ادھار کے مال میں سے.......... میں بیوی بچوں سمیت حج کر کے آیا ہوں.......... اسی مال کے صدقے.......... خاندان میں میری مہمان نوازی.......... اور.......... غریب پروری کا بڑا چرچا ہے.......... میرا ایک دوست کہتا ہے.......... میں گنہگار اور فاجر ہوں.......... حالانکہ میں ایک مسلمان تاجر ہوں.......... وہ کہتا ہے.......... یہ سب کچھ حرام ہے.......... اس ''بنیاد پرست'' کو.......... یہ علم ہی نہیں.......... کہ سارے تاجر.......... سارے دکاندار.......... ساری دنیا کی معیشت کا دارومدار.......... اسی ادھار پر ہے.......... اسی طریق کار پر ہے.......... اور پھر ہمارے ملک کے ماہر قانون.......... جو ہم سے اچھے مسلمان ہیں.......... انہوں نے حال ہی میں.......... عدالتِ عظمیٰ میں یہ بیان دیا ہے کہ.......... مجموعی نوعیت کے مفادات کو.......... اگرچہ وہ حرام کے ذرائع سے حاصل ہوں.......... جب اکثریت اختیار کر لے.......... تو ریاست کا فرض بنتا ہے کہ.......... ان کی حفاظت کرے.......... چاہے.......... وہ.......... سود کھانا ہی کیوں نہ ہو.......... اور یہ تو پھر بھی ادھار ہے!

سید محمد یونس بخاری

نعت رسول ﷺ

توفیق جو ہو جائے عطا آہ و فغاں کی
لاریب ! کرم گستری ہے رب جہاں کی
شکوہ ہی نہیں کوئی مجھے فرقتِ شب کا
ہے رحمتِ بے پایاں شہہ کون و مکاں کی
ہر آن میں رہتا ہوں مدینے کی فضا میں
سوچو تو ! کوئی حد ہے میرے حسنِ گماں کی
میں مدحتِ سرکار مدینہ میں مگن ہوں
کیا اوج ہے دیکھو تو میرے سوزِ نہاں کی
میں مستِ مئے عشق رسالت ہوں عزیزو
میں کیسے کروں بات کوئی وصلِ بتاں کی
اب اڑ کے پہنچ جاؤں در شاہ امم پر
پر کیف سی خواہش ہے میری عمر رواں کی
فیضان ہے یہ ختم نبوت پہ یقیں کا
ہوں دور مگر بات کہوں ربطِ نہاں کی
میں صبح و مسا لکھتا رہوں آپ کی نعتیں
ہرگز نہ ہو پروا مجھے جاں کی یا جہاں کی
میں عصیاں بکف یونسؔ بے مایہ ہوں آقا
مجھ کو بھی عطا کیجیے ردا اپنی اَماں کی

سید کاشف گیلانی

......ادراک کی دولت

کسی کے ظلم کو اُس کی ادا کہنا ہی پڑتا ہے
مصیبت میں کسی بت کو خدا کہنا ہی پڑتا ہے
اگر قبضہ کسی کے گھر پہ طاقت سے کوئی کر لے
ستم کے خوف سے اس کو روا کہنا ہی پڑتا ہے
کوئی جب آدمی سے چھین لے ادراک کی دولت
کسی کی بے وفائی کو وفا کہنا ہی پڑتا ہے
کسی کے جبر سے ڈر کر کوئی مات کھا جائے
تو اس بزدل کو اپنا ہم نوا کہنا ہی پڑتا ہے
مریضِ غم جسے کھاتے ہی دنیا سے چلا جائے
تو ایسے زہر قاتل کو دوا کہنا ہی پڑتا ہے
بگڑ جائے اگر کم ہمتی سے کام انساں کا
خدائے پاک کی اُس کو رضا کہنا ہی پڑتا ہے
کوئی ناداں اگر جل جائے چھو کر برقِ سوزاں کو
تو ایسے نور کو وجہ فنا کہنا ہی پڑتا ہے
کوئی آباد ہو جائے عرب کے شاہی محلوں میں
تو اُس کے جرم کی اِس کو سزا کہنا ہی پڑتا ہے
اگر کاشفؔ بصارت سے کوئی محروم ہو جائے
تو دھوتی اور کُرتے کو قبا کہنا ہی پڑتا ہے

انور جمال

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

اے راہروانِ شوق کے سالارِ معرفت
تیری زباں نے کھولے ہیں اسرارِ معرفت
تیرے قلم سے پھوٹے ہیں انوارِ معرفت
یعنی تو وجہ گرمئی بازارِ معرفت
تقدیس کی لغت میں خدا کا ولی ہے تو
دیباچہ حیات کا حرف جلی ہے تو
گفتار میں عرب کی بلاغت لئے ہوئے
کردار میں عرب کی جلالت لئے ہوئے
سوچوں میں سوز شمع خلافت لئے ہوئے
دھڑکن میں سازِ عشق رسالت لئے ہوئے
ایسا فقیر، امیرِ شریعت کہیں جسے
اک مردِ صد صفت کہ جماعت کہیں جسے

تو معنیِ سلوک ہے تو انشراح دین
روشن تیری نگاہ سے ہے منزلِ یقین
ہر ذرہ آفتاب کے انوار کا امین
گردوں تیرے وجود سے ملتان کی زمین
گلیوں کا حُسن، شہر کا انداز تجھ سے ہے
اس خطۂ زمین کا اعزاز تجھ سے ہے
تربت ہے تیری زندگی آثار اس لئے
وجۂ سکون ہے تیرا دربار اس لئے
لکھتا ہوں تیری شان میں اشعار اس لئے
تو عشقِ مصطفیٰ میں ہے سرشار اس لئے
میرا نسب یہی ہے یہی میرا نام ہے
جو عاشقِ رسول ہے میرا امام ہے

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9، کالج روڈ۔ ڈیرہ غازی خان فون: 0641-462501

عبدالرحمٰن انجم

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

عاشقِ قرآن تھا سید عطاء اللہ شاہ
کیا عظیم انسان تھا سید عطاء اللہ شاہ
جھوم اٹھتی تھیں فضائیں اُس قرأت کے طفیل
کیسا خوش الحان تھا سید عطاء اللہ شاہ
خوب سیرت ، خوبصورت سی اداؤں کے سبب
محفلوں کی جان تھا سید عطاء اللہ شاہ
جس سے لرزاں تھے فرنگی راج کے دیوار و در
حق کا طوفان تھا سید عطاء اللہ شاہ
حرفِ حق کہتا تھا سینہ تان کر ڈنکے کی چوٹ
خوف سے انجان تھا سید عطاء اللہ شاہ
فتنۂ مرزائیت کے واسطے شام و سحر
موت کا سامان تھا سید عطاء اللہ شاہ
غاصبوں کی ، جابروں کی حکمرانی کے خلاف
جنگ کا اعلان تھا سید عطاء اللہ شاہ
عالم اسلام کا تھا اک خطیب بے مثال
اپنی خود پہچان تھا سید عطاء اللہ شاہ
جس سے ہوتی تھیں فرنگی راج کی نیندیں حرام
ایسا اک عنوان تھا سید عطاء اللہ شاہ
وقت کا درویشِ کامل ، مجھ کو انجمؔ ہے یقیں
صاحبِ عرفان تھا سید عطاء اللہ شاہ

عتبان محمد چوہان

غزل

آنکھوں سے تیری یاد میں بہتا لہو نہیں
ہر چند زخمِ قلب کو چاہِ رفو نہیں
تب سے متاعِ دل کے بھی لٹنے کا ڈر کہاں
جب سے مرے رفیق مرے سنگ تو نہیں
گر دیکھنا کسی نے ہو طبعی وجودِ ظلم
قاتل کو میرے دیکھ لے ، گو ہو بہو نہیں
ظلمت ترے عمل ہی کی زلفوں سے ہے عیاں
رخسار پر بھی نور کی کوئی نمو نہیں
اب جو کسی نے پوچھ لیا کیا بتاؤ گے؟
کیا ان لبوں کی سرخی میں میرا لہو نہیں؟
اٹھتا ہے دل کے جلنے سے دھواں سا اُس طرف
پھیلے گی ایسی بات بھلا کو بہ کو نہیں؟
ناکام حسرتوں ہی نے سونے نہیں دیا
اس پر بھی اس کو حق کی کوئی جستجو نہیں
شاید فروغ عشق کی خاطر ہے میرا دل
وحشت کو اور کوئی بھی جائے نمو نہیں
عتبانؔ تیری بے خودی کی دھوم ہے بہت
حالانکہ تیری بزم میں جام و سبو نہیں

سائیں اللہ دِتہ بھیروی

گھر دیاں چیزاں وَیچ کے تے......

دھوکے باز فریبی دی ، ہر خواہش پوری ہُندی اے
دنیا اُتّے مومن نوں ، مل جائے کنارا مشکل اے

دفتر اندر ، وچ کچہری ، ظالم ، راشی بیٹھے نیں
وائٹ کالر سُوراں اُتّے ، چلّے آرا مشکل اے

برگر ، پیزا کھا کے تے ، او منرل واٹر پیندے نیں
اوہناں نوں پانی ''کھارادر'' دا ، پینا کھارا مشکل اے

اُچّے لُچّے ، مُچھاں والے ، وڈ وڈیرے ظالم نیں
زانی ، غنڈے ، پین شراباں ، کہن گذارا مشکل اے

''نچ مجاجن ، نچ مجاجن'' '' آجا بہہ جا سائیکل تے''
آوارہ گاندے کتیاں توں ، ہُن بچنا بھارا مشکل اے

''علی حیدر ، ابرار ، حدیقہ ، شارک ، بشریٰ'' نچّن گے
''قاسمؒ ، خالدؓ '' جمن ایتھے ، احمد یارا ! مشکل اے

''قائد اعظم لیڈر نے ، اک ملک بنا کے دِتا سی
ادّھا کٹ گیا ادّھا باقی ، رہ جائے سارا مشکل اے

غریب عوام دے مٹی چکّو ، بال اپانے رُلدے نیں
افسر کسے دے کُتّے نُوں وی ، لگّے گارا مشکل اے

بچیاں نُوں پرچان دی خاطر ، ماں بہانے لاؤندی سی
کئی دناں دے بھکھیاں نُوں ، اَج دینا لارا مشکل اے

مہنگائی دے ہتھوں زندگی ہُن ، کجھ بہتی اوکھی ہوئی اے
ڈبدے تَر دے بندیاں نُوں ، مل جائے سہارا مشکل اے

گھر دیاں چیزاں ویچ کے تے ، بل جون دے بھر کے آیا واں
ایہو سائیں ! حاکم تے وی آوے وارا مشکل اے

حسنِ انتقاد

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا لازمی ہے

سید محمد ذوالکفل بخاری

تاریخ خط و خطاطین

ایک ایسے زمانہ میں، کہ جو بظاہر خطاطی، خوش نویسی اور فن کتابت کے چل چلاؤ کا زمانہ ہے، اس کتاب کا چھپنا ''معجزہ'' ہی معلوم ہوتا ہے۔ معجزۂ فن...... کہ جس کی نمود خون جگر سے ہوا کرتی ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ اس تالیف کی ترتیب و تہذیب اور تشکیل و تکمیل میں مؤلف کو کتنے دن لگے ہوں گے لیکن یہ جاننا کچھ مشکل نہیں کہ یہ برسوں کی محنت کا حاصل ہے۔ محنت ...... کہ جس کا ہمارے گردوپیش چلن نہیں رہا۔ خصوصاً، ماضی کے آثار و علامات اور اقدار و روایات کے حوالہ سے کسی علمی محنت کے اب ہم کم کم ''متحمل'' ہوتے ہیں۔ لیکن اس روایت گریز، بلکہ روایت بیزار فضا میں، یہ کیونکر ہوا کہ خطاطی اور خوش نویسی کی روایت سے ہمارا رابطہ یکسر منقطع نہیں ہونے پایا۔ شاید اس میں بہت کچھ دخل اس ''نستعلیقیت'' کا ہے۔ جو خوبیِ قسمت سے ہمارے مٹے جمالیاتی ذوق کو خوش آ گئی ہے۔ ورنہ ''نستعلیقیت''، اُسی زمانے کی یادگار ہے کہ جب شاعر نے کہا تھا۔

لام نستعلیق کا ہے ،اُس بُتِ خوش خط کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں ''اس لام'' کے

وہ زمانہ...... کہ جب لوگ نستعلیق نویس ہی نہیں، نستعلیق گو بھی ہوا کرتے تھے۔ یہ کتاب اُسی زمانے کو، ہمارے زمانے سے ملاتی ہے۔ خطاطی کے حوالے سے ہمارے ہاں اب کم ہی لکھا اور پڑھا جا رہا ہے اور اس کے وجوہ قابل فہم ہیں۔ بسا غنیمت ہے کہ پچھلے دو ،ڈھائی عشروں سے اردو کی اشاعتی و صحافتی صنعت، نستعلیق کمپیوٹر کتابت سے آشنا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اب انٹرنیٹ پر اردو کا ''بولا چالی'' سافٹ ویئر بھی میسّر ہے۔ خیر...... عرض یہ کیا جا رہا تھا کہ ''تاریخ خط و خطاطین'' نامی یہ کتاب ایک ایسے زمانے کو، ہمارے زمانے سے ملاتی ہے کہ جس میں پہنچتے ہی، حروف اور اُن کے ہیولے، خیالات اور ان کی تصویریں، آوازیں اور اُن کے سائے مجسّم ہو جاتے ہیں۔

فاضل مؤلف...... پروفیسر سید محمد سلیم علیہ الرحمۃ نے ایک سنجیدہ، کھرے اور ان تھک محقق کی ساری لگن اور ایک باکمال صاحب قلم کا سارا سلیقۂ اظہار یکجا کر کے، اس کتاب کو لکھا نہیں ''تخلیق'' کیا ہے۔ تہذیبوں، قوموں، خطوں، زمانوں، زبانوں...... غرض معلومہ انسانی تاریخ کے سبھی حوالوں سے گزر کر، ٹھہر ٹھہر کر، فاضل مؤلف جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ پڑھنے والے کو گاہ متحیّر کرتا ہے، گاہ مبہوت کرتا ہے اور گاہ مسحور کرتا ہے۔ اس پر مستزاد وہ عکسی نمونے اور وہ آثار و تبرکات ہیں جو قدم قدم پر دامن کشِ دل و نگاہ ہوتے ہیں۔ فن کے اصول و مبادی، دقائق و غوامض، اسرار و رموز، باریکیاں اور بھید،

آسان زبان میں..... نہیں، نہایت آسان زبان میں یوں بیان ہوئے ہیں کہ باور نہیں آتا۔ مراکزِ فن کی تفصیلات یوں مہیا کی گئی ہیں کہ ہندوستان، پاکستان کے کتنے ہی شہروں پر ہرات، ایران، بخارا، ترکی، مصر، عراق اور افغانستان کے قدیم و جدید مراکز خطاطی کا گمان ہونے لگتا ہے۔

یقین کیجیے کہ ۴۶۴ صفحات پر یہ مشتمل کتاب، ۴۵۰ روپے کی قیمت پر، نہایت ارزاں میسّر ہے۔ آرٹ پیپر پر، دل خوش کن کتابت اور طباعت کے ساتھ، بڑے کتابی سائز میں، یہ کتاب ایسی خاصے کی چیز ہے کہ جس کے پڑھنے کا لطف الگ ہے اور دیکھنے کا الگ۔ ناشر ادارہ ہے: زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز، اے۔ ۴/۱۷، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی۔ ۱۸، پوسٹ کوڈ ۷۴۶۰۰

سبائی فتنہ (جلد اوّل) اقبالؒ نے کہا تھا..... شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی۔ بات یہ ہے کہ علمی اختلاف، رائے اور تحقیق کے اختلاف سے جنم لیتا، بحث و دلیل سے آگے بڑھتا اور تجزیہ و تنقید پر منتج ہوا کرتا ہے۔ لیکن، علمی اختلاف میں اگر غیر علمی عناصر و عوامل، دخیل و کارفرما ہو جائیں تو ساری تحقیق و جستجو، بحث و مکالمہ اور تجزیہ و تنقید کا حاصل وہ ''ثابت قدمی'' ہوا کرتی ہے کہ جس کے طفیل، فاضل محققین پہلے سے طے کردہ نتائج و اہداف اور مواقف و آراء کے جھنڈے تلے، خوب جم کر دادِ تحقیق دیتے ہیں۔ ایسے میں کسی بھی موضوع کی حیثیت و حقیقت اور کسی بھی عنوان کی صحت و اصابت تک رسائی ہو تو کیسے؟ خود سر ''محققین'' کے نرغے میں آئے ہوئے کتنے ہی موضوعات، کتنے ہی عناوین..... تحقیق کی تاریک راہوں میں آئے روز بے موت مارے جاتے ہیں۔

مولانا ابو ریحان عبدالغفور سیالکوٹی کا روئے سخن ''سبائی فتنہ'' میں کچھ ایسے ہی محققین کی طرف ہے۔ موضوع وہی صدیوں پرانا، مشاجرات صحابہ اور اجتہاداتِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا ہے۔ اس حوالے سے بعض معاصر مؤلفین نے جس طرح ایک خاص تحکم اور تہور کی فضا پیدا کر کے، بہت سی باتیں از سرِ نو چھیڑیں اور از خود طے کر دیں، مولانا کو اس سے اختلاف ہے۔ جن حضرات کو مولانا قاضی مظہر حسین چکوالی کی کتب ''خارجی فتنہ'' اور ''کشف خارجیت'' یا مولانا محمد امین اوکاڑوی کی کتب ''تجلیات صفدر'' اور ''خطبات صفدر'' وغیرہ کے محتویات کا کچھ اندازہ ہے، وہ یقیناً کتاب ''سبائی فتنہ'' کی اہمیت محسوس کر سکتے ہیں۔ مختصراً یوں سمجھیے کہ چکوالی اور اوکاڑوی بزرگوں کی منطق، دراصل اسی منطق کا چربہ اور عکس ہے (یا..... تَوْاَم، تتمہ، تکملہ، ضمیمہ..... جو بھی کہہ لیجیے) کہ جس کی مدد سے مودودی صاحب نے ''خلافت و ملوکیت'' میں حضرات صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی خطا شماری کا اہتمام فرمایا تھا۔ ہاں..... مودودی صاحب کے ہاں بزرگانہ استبداد اور استکبار، مناظرانہ استحقار اور استہزاء اور مولویانہ تاویلیں اور توجیہیں اس درجہ فراوانی و افراط سے میسّر نہ تھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تخطیہ و تصویب کا کام زیادہ سہولت اور مہارت سے انجام دے پاتے۔ قاضی کی طرح فیصلہ سنانا، مفتی کی طرح فتویٰ دینا

اور مناظر کی طرح فریق ثانی کی بھد اڑانا...... وہ عاجلانہ رویّے ہیں جو بحث و مکالمہ اور تجزیہ و تنقید کی فضا میں "تحقیقی آمریت" کے مسلط کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ کوئی موضوع کس حد تک، ان رویّوں کا متحمل ہو سکتا ہے؟...... افسوس، تحقیقی آمریت یہ سوچنے کی مہلت (یا، توفیق) سلب کر لیتی ہے۔ کتاب "سبائی فتنہ" کی اصل اہمیت یہی ہے کہ یہ تالیف اس "تحقیقی آمریت" کے خلاف بھرپور مزاحمت کے کتنے ہی ٹھوس علمی عناوین فراہم کرتی ہے۔

آج سے دس سال قبل، اس کتاب کی جلد اوّل کا پہلا ایڈیشن ملتان سے چھپا تھا۔ اب یہ نظر ثانی شدہ ایڈیشن مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک سے شائع ہوا ہے۔ نقش ثانی، یقیناً نقش اوّل سے بہتر ہے۔ فاضل مؤلف، جامعۃ العلوم الاسلامیہ الفریدیہ (اسلام آباد) میں استاذ الحدیث ہیں۔ دفاع صحابہ، (رضی اللہ عنہم) اُن کا خاص موضوع ہے۔ قلم رواں اور شگفتہ پایا ہے۔ وہ حسب خواہش وارادہ بلکہ حسب پیمان و وعدہ اس سلسلہ تالیف کی تکمیل کر پائے تو یہ یقیناً دین کی ایک بڑی خدمت ہوگی۔ یہ ہمارے عہد کے گوناگوں اعتقادی فتنوں اور فکری گمراہیوں کی یلغار میں گھری ہوئی نسل نو پر ایک بڑا احسان بھی ہوگا۔

بیاد سید ابوالحسن علی ندویؒ (ماہنامہ "القاسم" کی اشاعت خاص)

شبلی نعمانیؒ، سلیمان ندویؒ اور ابوالکلام آزادؒ کی صفوں کا ایک آدمی، ہمارے آپ کے زمانے میں ابوالحسن علی ندویؒ کے نام سے جانا اور پہچانا گیا۔ قدرت الٰہیہ، بڑے لوگوں کی تخلیق کیلئے جو سانچہ کام میں لاتی ہے، ابوالحسنؒ کا وجود اسی سانچے میں ڈھلا تھا۔ ۱۹۱۳ء میں آنکھ کھولی اور ۱۹۹۹ء کی آخری رات بند کر لی، صبح قیامت تک کیلئے...... کہ صدی بھر کا سفر مکمل ہو چکا۔

اُس کا بے مثال حافظہ، علم کا استحضار، اسلوب کی روانی، لفظوں کی شدت و شوکت اور تاثیر و حلاوت، اس کا فکر و بصیرت، شجاعت و شہامت، تدبر و فراست اور دردو سوز و آرزومندی...... آج یہ سب کہانیاں ہیں۔ ۱۹۹۹ء کی آخری رات تک، یہ سامنے کی باتیں تھیں۔ ابوالحسنؒ...... پورے عالم اسلام میں...... نہیں، پوری دنیا میں ایک ہی تھے۔ عربی زبان و ادب اُن کے زورِ قلم پر نازاں، اور اردو نثر و انشاء ان کی جولانیٔ قلم سے مسحور بلکہ مخمور و بے خود!

علی میاں علیہ الرحمۃ (کہ ہندو پاک میں، وہ اپنے چاہنے والوں میں اسی نام سے پکارے گئے) کے سوانح و افکار کے حوالہ سے لکھنے لکھانے کا سلسلہ ان کی زندگی ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ باقاعدہ کتابوں اور جرائد کی خصوصی اشاعتوں کی صورت میں، یہ سلسلہ برابر آگے بڑھ رہا ہے۔ اسے رکنا نہیں چاہیے۔ مؤقر مجلّہ "القاسم" نے، کہ جامعہ ابوہریرہ (نوشہرہ) کا ماہانہ ترجمان ہے، ۵۶۰ صفحات کے ضخیم شمارۂ خاص کی صورت میں، علی میاں علیہ الرحمۃ کے حضور نذرانۂ ارادت پیش کیا ہے۔ بلا تکلف عرض کیا جاتا ہے کہ یہ اشاعت اپنے عنوان کے شایان شان ہے۔ علی میاںؒ کی شخصیت اور فکر، خدمات اور اختصاصات، تفوقات اور امتیازات پر ایک سے ایک عمدہ اور دل کش تحریر، اس مجموعے میں

شامل ہے۔ لکھنے والوں نے، کہ جن میں اکثر اپنے اپنے دائرے میں علم ودانش کے معتبر حوالوں سے نمایاں ہیں، نیاز مندانہ عقیدت مندانہ ہی نہیں، والہانہ لکھا ہے۔ ایسی تحریریں اور مجموعہ ہائے مضامین کسی بھی بڑی شخصیت کی تفہیم اور اس کے فکر کی تفہیم میں نہایت مؤثر اور معاون ہوتے ہیں۔

آج کی اسلامی دنیا ''تہذیبوں کے تصادم'' اور ''تہذیبوں کے خاتمے'' جیسے جن فلسفوں کے ہاتھوں زک اٹھا رہی ہے، ان فلسفوں کی ہلاکت آفریں یلغار کے تمام تر امکانات، عمر بھر سید ابوالحسن علی ندویؒ کے پیش نظر رہے۔ وہ ''مفکر اسلام'' کہلائے۔ ان کے افکار ہمارے پیش نظر رہتے تو شاید ہماری آزمائش مختصر ہو جاتی۔ ہماری آزمائش اب بھی مختصر ہو سکتی ہے لیکن اس تغافل اور تجاہل کا کیا کیجیے کہ جو ابوالحسن ندویؒ ایسے لوگوں کے فکر کی روشنی میں، اپنے فکر و عمل کی تطہیر سے ہمیں باز رکھے ہوئے ہیں۔ کیا جانیے، توفیقِ عمل کا درَب باز ہو؟ کچھ بعید نہیں...... اگر اس مجموعہ مضامین کے مطالعے سے، ہم زندگی اور اس کے حقائق کو بانداز دگر سوچنے سمجھنے لگیں۔ ابوالحسن علیؒ کے سے انداز میں۔

''القاسم'' کی یہ کتابی اشاعت، ۲۴۰ روپے کی قیمت پر، جامعہ ابوہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، نوشہرہ (صوبہ سرحد) سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ (بقیہ ص ۱۴)

مسافرانِ آخرت

☆**مولانا حلیم اللہ قادری رحمہ اللہ:** شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے پوتے اور حضرت حافظ حمید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند مولانا حلیم اللہ قادری گزشتہ ماہ لاہور میں انتقال کر گئے۔ مرحوم ایک صالح نوجوان، جگری دوست، وضع دار اور حلیم الطبع انسان تھے۔ اُن کی جواں مرگی جہاں حضرت لاہوریؒ کے خاندان کیلئے گہرا صدمہ ہے، وہاں اُن کے مداحوں اور عقیدت مندوں کیلئے بھی جان کاہ حادثہ ہے۔

☆**مولانا اللہ بخش رحمہ اللہ:** مجلس احرار اسلام قصبہ آدم والی (ضلع رحیم یار خان) کے معاون مولانا اللہ بخش صاحب یکم جولائی کو انتقال کر گئے۔ مرحوم پابند صوم وصلوٰۃ اور محسن احرار سید عطاء المحسن بخاری علیہ الرحمۃ کے عقیدت مند تھے۔ انتقال کے روز گھر سے وضو کر کے مسجد میں نماز ادا کرنے کیلئے جا رہے تھے کہ راستے میں انتقال کر گئے۔

احباب و قارئین سے درخواست ہے کہ مرحومین کیلئے دعائے مغفرت و ایصال ثواب کا اہتمام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے! (آمین)

جام شیریں فیملی
JUMBO
بوتل PET
1500 مِلی لیٹر
REGULAR
750 مِلی لیٹر
PET بوتل
800 مِلی لیٹر
JUNIOR
400 مِلی لیٹر
PACK 1500 ML
بچت بچت
شربت
جام شیریں
جو پیئے اُسی کا ہو جائے
ڈسٹری بیوٹر: معاویہ ٹریڈرز جامع مسجد روڈ، چیچہ وطنی فون: 610953

Monthly **NAQEEB-E-KHATAM-E-NUBUWWAT** *Multan*

Regd. M.No,32 *Ph: 061-511961*

توحید و ختم نبوت کے علمبر دار و ایک ہو جاؤ! (مجددِ احرار سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ)

یوم تحفظ ختم نبوت کے مبارک موقع پر

سالانہ تحفظ ختم نبوت کانفرنس لاہور

7 ستمبر 2002ء بروز ہفتہ، بعد نماز مغرب

مقام: دفتر مجلس احرار اسلام پاکستان 69 سی حسین سٹریٹ وحدت روڈ نیو مسلم ٹاؤن لاہور فون: 042-5865465

صدارت

قائد احرار ابن امیر شریعت

حضرت پیر جی

سید عطاء المہیمن بخاری

امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

خطباء * محترم نواب زادہ نصر اللہ خان * مولانا زاہد الراشدی * محترم چودھری ثناء اللہ بھٹہ * محترم پروفیسر خالد شبیر احمد * محترم عبد اللطیف خالد چیمہ * محترم قمر الحق بادشاہ * سید محمد کفیل بخاری

عنوانات

* عقیدہ ختم نبوت، قرآن و حدیث کی روشنی میں
* حیات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ☆ مرزائیت کے آپریشن کا طریقہ کار
* قادیانی سازشیں اور ان کا ردّ ☆ احرار اور محاسبہ قادیانیت

[illegible]

* مولانا زاہد الراشدی * پروفیسر ابو الکلام خواجہ * پروفیسر خالد شبیر احمد
* مولانا محمد مغیرہ * مولانا محمد اشرف * جناب طاہر عبد الرزاق
* جناب عبد اللطیف خالد چیمہ * سید محمد کفیل بخاری

تین روزہ ردّ قادیانیت کورس

4، 5، 6 ستمبر 2002

بدھ، جمعرات، جمعہ

روزانہ بعد نماز عصر تا عشاء

شعبہ نشر و اشاعت تحریک تحفظ ختم نبوۃ مجلس احرار اسلام پاکستان

Al-kitab 584604

Printed At: Baha-ul-haq Printers Pulshahwala Multan.0303-6669953